

Women Write
Classics

عصمت چغتائی (ق)



افسانے

بڑی شرم کی بات

عصمت چغتائی

RHOTOS

L P S

Low Priced Series

بڑی شرم کی بات افسانے

عصمت چغتائی

ہمارے حقوق محفوظ

۱۹۹۲ء

اشاعت اول

نہیں پکارا جاتا کہ لڑکا لڑکی

پکارا

روہتاس بکس ہاؤس لاہور - لاہور

لاہور

روہتاس بکس

دھڑکی کو میں اس وقت سے جانتی ہوں جب اس کا بچہ رانا چھ ماہ کے سینہ کی ذرا نیچہ دی کرنا تھا۔ ہم سے تو لگا ہے دھڑکی کوئی عظیم جسم مہاراجہ کی کمانی ہو گی مگر دھڑکی کا تو مشکل سے چار فٹ ہو گا۔ یہی عمر کے بد صورت نہیں سی آئیں۔ آگے کو کھٹکا ہوا اچھا جڑا اور دھنسا ہوا تھا۔ چند ماہ پہلے ہی ایک حد لودھا جتنی تھی تو رانا نے وارنٹی کر اس کی تہی پہلی نرم کر دی تھی۔ راجہ ہادی سو بھی مادی پہنچتا تھا۔ رات کو کب مگر تھی۔ اور دھڑکی واڈھیں مار مار کر دیتی۔ پہلی لوگ لا کھتا تھا کہ دھڑکی نے نواب سے کسے پہنچ کر دی۔ یعنی رات کو بچے سے لگا ہوا۔ مگر ایسی بات ہوتی تو ہمارا نام کسے کی کیا ضرورت تھی۔ دھڑکی کا مورا ایک دم موٹا تھا۔ بہت وارن تھا۔ مگر دھڑکی کتنی تھی رات کی دودی کرتا ہے۔ سینہ مادی مادی رات پھر کریں کی رنگ لٹکا کرتا ہے۔ وہ موز میں بیٹھے بیٹھے لوب جاتا ہے تو چار مار لیتا ہے۔ یعنی کی شاید ہی کوئی ہتھک ہو جس کے اعلا کے کسی کو نے میں اتھ جیری کھین میں ڈاکوئیں کی کوٹھی میں حتی کہ گندے سزا سوں میں وارن نہیں کھینک کر جاتی۔ اور ہمارا وارن کے سسٹن طائفے میں ڈانڈا کی طرف جانے والی سڑک پر ہم پڑ پڑی میں تو ہاتھ دھڑکے کی ہار بھی ہوتی ہیں۔ کھن میں تکی ہوئی کیا فرسٹ کلاس پہنچ لکھا ہو تو ڈانڈا سے ہنر کوئی جگہ نہیں۔ وہیں حضور قرین بنی اور لگتی پنے پھیروں کا اٹکے یعنی میں خواب نہیں۔ لومہ جو سنے قیبت عن رسے ہیں ان میں سینہ لوگ اپنی رکھیل رکھتے ہیں۔ بیٹھانوں کی جاسوسی کارروائیوں سے محفوظ یہ سینہ لوگ جو ظم کا دھڑا کرتے ہیں یعنی دھڑکی چار وارن ہوا وارن سر کے چل کے کھٹے جو ظم کے طائر پھر کر کے لے کر ہتھوں تک کا نہیں دینی جاتے ہیں۔

سینہ لوگ جب لوب چلے جاتے ہیں تو بچے اترنے کا وقت طرہ نہیں ہوتا۔ بچے ذرا نیچہ جاتا اور شراب کا دور پھلتے ہیں۔ وہیں سے رانا کو شراب کی عادت نے پکڑ لیا۔ ہمارے عادت اتنی بڑھی کہ دھڑکی کی سوت میں بیٹھی۔

پہلی کے سرے کے چند بیٹھے پھر دھڑکی کا ہی ہمارے ہماری ہو گیا۔ اب کے

رانا نے اپنی عظم سے ہوا کہ اگر پھر پھر کی والی تو وہ اس کا چہ کات کے دوسری ہو کرے گا۔ لیکن پھر کر کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ایک دن رانا نے بچوں کو اسکول سے لانے سے گاڑی فٹ ہاتھ پر چڑھا دی۔ بچوں کے چہ تھیں گی مگر ہائے تو اب اتنی پہنچ کر سینہ نے اسے کھڑے کھڑے لٹال دیا۔

رانا اور دھڑکی کو کھینک خلی کر کے چاڑھا۔ جس پر اسی دن سے ذرا نیچہ رنے بند کر لیا۔

ایک دن کیا دیکھتے ہوں دھڑکی ایک جینٹل کی شکل کی پھر کر پھاتی سے پکائے فٹ ہاتھ پر بیٹھے والی ڈاکوئی والی کے پاس بھی ہوتی ہیں۔ اجازت صورت کھینک ہوئی۔

"مارے دھڑکی کیسی ہے دی۔" میں نے راجہ پر پوچھا۔

"فیک ہے ہائی۔" وہ اٹھ کر میرے ساتھ ساتھ چلے گئیں۔

"رانا کیا ہے؟"

"مور ڈاکوئی۔"

"مور مور کیا؟"

"مسٹر رانا دی۔"

"لاک بخت پہلی کی وجہ سے تجھے پھر ڈاکوئی۔"

"تھی ہائی پھر کر کے دھڑکی میں تھی۔" وہ تو پھر کھٹے کو گیا۔

"مور تو فٹا ہوں گے تیرے۔ بہت روپے بھیجتا ہو گا تجھے۔"

"نہیں ہائی۔ اسے اپنی تھی کو بھیج۔"

"میں کی میں یعنی میری ماں کو؟" مڑا بھی میں تھی کی کہتے ہیں۔

"نہیں۔" وہ پہلی جو اسے لومہ بھرا۔ "تو دھڑکی صاحبہ مگر قیادہ نہیں۔"

"مور ڈاکوئی میں دونوں کا لٹاڑا چلا تھا۔ جانے سے پہلے رانا نے جاہ کیا اس سے

اور۔"

"مگر دوسری شادی تجھے طلاق دینے کا کیسے کر سکتا ہے۔ بھگواں چہ جانیں گی

سور کو۔

"لوگوں کا ہاتھ کڑی ہائی۔"

حیرت سے دس بارہ سال ہوئے گاؤں پاس ہوا کہ ایک سے زیادہ بڑی کی اجازت تھیں۔ طاقتور طبقہ دسری شادی کر رہا تھا۔
"کاش کہ ۱۲ لاکھ کھراؤں کی مراعاتی سندھی طور پر کیا لوگ سختی شادی کرنا۔"
"سب پر کس جمل سکتا ہے۔"

دوسری طبقہ ماننے کو چار نہ تھی اور نہ میرے پاس وقت نہ وسیلہ کہ اسے گاؤں پہنچا دوں۔ خود میرے جان پہچان کے سب سے لوگوں کے پاس ایک پیسے کے علاقہ طور کی ضرورت تھی۔ سنا ہے پڑت سے میرے ان لوگوں کی نہیں بکڑ سکتا کی کہ قتل بھی ہو جاتی ہے کہ سلاطین مٹا دیے۔

"پانی میرے کو کام نہ۔" دوسری طبقہ چاہے گی۔ میری پرانی بھانجہ نکال کر دانی ہائی دوسری کو میرے ساتھ دیکھتے ہی وہ قہقہے بھانسنے لگی۔ اور دونوں میں نصیحت فرانے کی مراعاتی میں جنگ شروع ہو گئی۔ میں اسے سال سے پہلے میں رہتی ہوں کہ کوئی دستان دستان ہونے کو مراعاتی "کھراؤں" سندھی بنگالی خاص ہے چاہتی ہے۔ مگر جب انہیں دستان میں تو میں میں شروع ہو جاتی ہے تو میرے خاک کھ میں نہیں آتی۔ انتہائی مدد فرما پھرنا بچوں میں تو بڑھ چکی تھی کہ ان کے ہرے پھانسنے لگا ہے۔ جسے ہاؤز کی گاڑی کھینچنے پر دوڑ رہی ہو۔

میں دونوں کو دانستہ کرانگ کیا۔ پختہ بھر کی دوسری طبقہ کو بڑھتی پر کا کرانگ کس رہی تھی۔ اور اصل میں کی دوسری طبقہ کو ہاؤز کی بڑی مدد سے کا کرانگ تھا کہ چاہتی تھی۔ بڑی مشکل سے دونوں کو ضبط کیا اور دوسری کو کھانا کہ کھانا ہائی کی شان میں بلکہ بھی کہا تو اچھا نہ ہو گا۔ دونوں برس سے میرے پاس لگی ہے۔

برسات شروع ہونے ہی پہلے میں پانی لوگ کا بھڑکے لگا ہے۔ سارے ہاؤز اور گری میں آگ لگانے کو پانی نہیں ملتی۔ تب نہ کالائسنس کی چھادی

لگائی جا سکتی ہے۔ نہ کچھ پانی میں محفوظ ہونے پر اچھے سلیب کوٹے کرتے۔ سندھ کے کھانے لوگ نے پہلے کسی بھی سوانے دھندے کیلئے کام نہیں آ سکتے۔ قلیوں کی لکھنوں میں مشکل دانے کو کر رہے ہوتے ہیں۔ ہاں ان دونوں ہادی لوگ کے جیل ہوتے ہیں۔ اور جب ملک مٹان سوجاتے ہیں تو ہادی مٹان میں راہد اور ہڑتے کرتے اڑاتے ہیں۔ چھانکنا ہادی دورا ہادی سے اپنی پریشانیوں کو لگا دیتے ہیں۔ کبھی ہادی ہادی لکھنوں سے ہر کر ہادی شراب سے شوق فرماتے ہیں اور اگر گری میں ایسے کھانے میں صاحب لوگ ہڑ ہوں تو اگر انک روم میں ہڑت لگ جاتے ہیں۔ ہڑت کا دھندے لانے کے وقت خالی کر کے مٹائی ہو جاتی ہے۔

شکر ہے برسات کے ہڑت میں چھانکی کی صورت کی بھر بھی لکھنوں کو چھادی ہو گئی۔ سڑی لگی راستہ میں چھانکی ہادی ترکاریوں کے چھانکی کی ہادی کھانے والی ہاں کا دھندے کی کر سنا کھانے چھانکی دم تو دھندے ہادی ہادی چھانکی تھی۔

پانی کی سوت نے جسے دوسری کے ہڑت بھڑکے کہ پانی لوگ کے لکھ دھندے جاگ اٹھے اور لوگوں کا توڑ چاہا۔ دوسری نے ہڑت کے چھانکی قلیوں میں سے آٹھ دس بارے اور سچ سے شام تک کچرا ہڑت بھانسنے لگا کر کے ٹوبہ کھانے لگی۔

دلا نے مدد بھیج کر اپنی صحت کو بہتر بنانا اور دوسری نے کل ہری دھوپیں خیر کر ترکاری والی ہائی کے پاس بیٹھا شروع کر دیا۔ جہاں ہر جگہ چھانکی ہڑت کی ہڑت میں ہادی ہادی ہادی لوگ کو زندہ رہنے کے ہڑت ہڑت بیٹھے چھانکی۔ دوسری ہڑت دھیان سے اس کے ہڑت ہڑت ہڑت اور ہڑت۔

کام لکھ کر پانی لوگ شام کو لکھ دھوپ کو سول سکر کرتی ہیں۔ کھانے پاس کے ہڑت خیر کر لکھ کر گم کرتی ہیں اور گاڑی ہادی کھانے میرے دارا ہادی سندھ کے کھانے ہڑت پر چڑ کر چھانکی خیرات کرتی ہیں۔ کھانے کو چھانکی ہڑت ہادی ہادی سے آٹھیں بھی لڑاتی ہیں۔ وہیں پہلی بار چھانکی لکھ ہادی کھانے سے دوسری کی آٹھ میں لوگ۔ دلا کے ہڑت اسے سواری آٹھ میں آٹھ دانے کی صلت

ی نہ ملی تھی۔ تین چار بار دھکواس کے سامنے سے چلے پانچپن سے تو بھی فکر کا انداز۔ ایک بار کھسکا چڑھی بھی سٹکا ناہل۔ ہر جگہ دور منظر ہے، جہے گیا۔ وہ چار دن میں دوسری کم ہوتی گئی اور قربت جاتی گئی۔ کبھی کچھ ڈاس سینگ چتا بھی ہیں یا۔ پہلے تو احمق سی سر ہلاتی رہی تھی۔ فکر کی بات کی آنکھ کا اشارہ پا کر کاپیٹے ہاتھوں سے وہ چپے بھی اٹھائے، اس کی طرف سے ٹھیکہ رہے۔ حد میں لانے کی ہمت نہ ہوئی۔۔۔۔۔ قصہ مختصر ایک دن کھنٹی گئی، کھنٹے پہ چوٹ لوٹنے دھک کے ساتھ چار فٹ کی دھوڑی شربلی لپٹی کھڑی تھی۔

”ہائی جم سداوی ظاہر۔ گنگا جالی کو لایا داخل سے دو کام پ آئے گی۔“ انہوں نے
 کچھ سمیٹ سرائی میں دو کامیاں کو بچھ کر پات دین اور خود اندر آ گئیں۔
 ”مہار حساب کر دے ہائی۔ تمہیں دویہ صینہ کے حساب سے چھٹس دن کے
 چٹیس ہوتے تھے۔ میں نے دس دس کے تین لوٹ پکڑا دیے۔“ احموزی کے کھ سے
 پہل بج رہے تھے۔ جھوٹے کی لال لاکھ دلی نوکری اور ادوی چلی
 میں احموزی کا سیاہ رنگ چھوٹا لکھ رہا تھا۔ ہشت بھری مابہ صورت عورت میں
 بلا کی ٹیکس اٹھلی تھی۔ چلی گھر بھاری کو لے کر چلیں میں نے چاندی کے ڈانے
 ڈالے، اٹھنی پر اب خود کو لٹکے سو سو بار میں دکھا رہا تھا۔ بار بار منک سوتر کو پھر
 دی گئی جیسے اٹھیں میں کرنا چاہتی ہو کہ مسئلہ ٹھیک مشکل ہے۔

یاد میں کئی سال گزروے کہ ایک دن چلی آ رہی ہیں لیلا احمق بنی۔ ہاتھ دو برس کے بچہ کے کا ہاتھ تھامے ہوئے دن کا چہرہ سہلے لہندہ ہنسنے لگی۔

— بی بی کی —

گنگا ہائی نے اپنے دھرم کا اعلان ایک عدد چھپک سے دیا اور چائے کی ٹرے
تیسرا میز پر ایک ٹنگے سے بیچ دی تاکہ میں اس کے دی اکٹھن کو لوٹ کر لوں۔

”کیا ہوا؟“

جواب میں انہوں نے سریت مرانی میں جواب گزرا۔ ساویز اسٹک

سے میں نے فرما دیا کہ مطلب میرا لاشعور ہے۔

جب وہ کرسٹل پہنچی تو وہ چاکر دھمکی دہی نیچے بٹا دی مگر مٹی کی یہاں
 کہ اس کی سانس سے ایک صف میں جتی تھی۔ چار پوٹ کی بارونجی تھی۔ اب
 اور مٹی کی مٹی کی تھی۔ اس کے برسی پہنچی جس میں وہ لود بکٹ کے مٹی بھی
 میرے لیے نہیں ہے۔ ہاں اگرچہ چاکر بکٹ کے مٹی بہت ہی غراب
 بدعاشی کے مٹی کی ہاں باز عورت۔

”میں نے تجھے لہرا اور پٹی 77 بھی بدلتی دیکھا۔“

مکمل کی پھیلائی ہوئی صورت سے سال دو سال پہلے ہی ہوگی۔ یہی زندگی مرد
مرد صورت چمک کر رہے تو صورتی بھی چمک رہا جائے۔ بڑے کو دو دو ٹوناک
ملگنی۔ یعنی اگر طرے کا پانچ لے لے تو طوں بھا کر رہتا ہے۔ اس کی صورت تو دم
دس بارہ سال کا قاتل ہی خاص ہو گی جسے اس کے بعد دم کا باب ابومریم
خیر پڑا۔ راج حور کا نام رکھا۔ پہلی میں جسے نور سے ملے تھے کھڑی
ہو رہی تھیں۔ خاک و محل خیموں میں شہنشاہ کی پہلی کی وجہ سے گھبراہٹ ہو گی
لہذا وہ ہے ہی دم کے ساتھ۔ اس وقت تک دم کا باب وہ چکا تھا کہ کوئی مستقل
دادگار آج تک نہیں آیا۔ چھٹا گلاس کیا تو کسی بہت ہی چمک کر رہی کے باپ نے
ایک ہزار اس کے سر پہ ڈالی۔

بڑا حقائق کی گرم کانٹیں تھیں۔ دیکھ لو، سچیل میں بھاری پانی کا ناکہ چڑھا جس
 کی اس کی قوت نے پائے ٹپل کئے۔ دیکھ نے، بھکت کی دود سے اسے مار گھٹ کر
 چکنا چار کیا کہ اس چیز نے بھی بھڑکی خوب دی تھی۔

بڑے کو بھائی یعنی نور بیگ کے تعلقات، نفسی کئی امور میں نہ ہو تا اگر اس کی لوٹک پاندی سے ملحق رہا۔ مگر اگر نور بیگ نے کیلئے ہو جن کو پورا جانتا۔

لوہر اسی جی کی کلائی کی بنیے خبردار دور تک پہنچ رہی تھی۔ آٹھ دس گھنٹوں کا کام پہنچنے سے بی گھر نہیں پہنچیں مار لیتی ہے۔ یہ سب کا لڑکپن بھی نہیں تھی ہے اور سوچ رہا ہے کہ یہی چاہتے گی ہے۔ ابھی دو گھر ایک چل چلا کر بازار جان سے اس پر حاضر ہوا۔ مگر اسی جی کے نصیب ہی کھوئے ہیں۔ بھگت نے قتل چاہتے کہ قلم والے نے اسے سچا دیکھ جانے کا پورا پورا دیا ہے۔ دو گھر کی بیوی اس کے چل گئی تھی

اور دھڑکی کسی بات کا جواب نہیں دیتی۔ اس کا چپ کاٹا میرے کانوں کے پسے چائے دے رہا ہے۔ اب اس کی آنکھیں کھلیں گم ہو گئی ہیں۔ ان میں کسی بات کا غلط پتا ہے۔ آخر صبح ہو گئی۔ چانک کا کھٹکا کھڑا نہیں نہیں کھلی۔ لوگ ہاتھیں ہاتھ کھڑے انتظار کر رہے ہیں۔ فٹ پاتھ پر بھی جھڑپے ہیں۔

دھڑکی کسی ہوئی اتر کر فٹ پاتھ پر قدم قدم کر رہی رہی ہے۔ پہلی لوگ کہیں میں بند کر رہی ہیں ان کی آنکھوں میں اس عورت کیلئے کسی ہوئی غرت ہے جیسے زہریلی دھن کے کسی خدے سے جو کوس لیا ہو۔

دھڑکی گرم سی بنی منتقل چلی کر رہی ہے۔ اس نے پتی در کی ناک میں کائی۔ فٹ میں دست دے رہا ہے اس پر پل چلا اور پکڑے چائے لگا دے اس نے کانا دھا تو مت کر رہی تھی کی ناک پر کڑی نہیں کھٹ کھٹ۔ ہو سکا ہے وہ اس کے ہونٹ چوسے جاتا ہو اور ناک دھڑکی کے دھڑکی کی دھڑکی آگئی ہو۔ ہاں اس پر دھڑکا فون تو بڑھا کہ اس کے جسم پر کوئی دھم نہیں۔ اس کے پینڈوں پر پتی کے خون کے دریغ دھ کر بھی پوری طرح نہیں چھوٹے۔

نھر پہلی لوگ اس سے آنکھیں پھا رہی ہیں۔ اس نے پی پی بے جا کی۔ پتی بھگوان میں ہوا ہے۔ دھڑکا کاڑی ہو ہے۔ اکثر عورتوں نے اپنے پر نہیں کا فٹ و فٹ کی حالت میں خون کر دیا ہے اسلئے میں نے فٹرا کر دیا ہے۔ دھڑکی بھی اگر دھڑکا فٹ کا زخم چا دھاتی۔ اس کی آنکھیں پھڑپھڑاتی تھیں کہ نہ چا کر سو کی ناک اب وہ چاہے چاہے سے کھلی جائے یا دھڑکی سے پی پی کھٹاتی حرکت ہے ہر کڑی کھلی کھلی۔

دن دھندلا دھیر ہوئی اور مستور و زوریت ہونے شروع نے آگ سی لگا دی۔ فٹا میں غور سے سی طاری ہے۔ دھڑکی دھڑکا سے آگ لگی ہے۔ نہ وہ کی اور نہ کسی قیبت سے اس کی پکار کئی۔ نہ جانے کیسے سب کی چاہ رہے تھے کہ دھڑکا جاسے اور دھڑکی کو چاہی ہو جانے کہ قصہ پاک ہو۔

کوئی ہانکے سارے ہانکے کا عمل ہو گا کہ چھوٹ گیت انیشین کی اور اسے لوٹوں کی جیز میں کھرا لیا ہاں جیسا دھڑکا فٹ کھائے آتا دکھائی دیا۔ ٹوٹنے ایک ایک کر

اس کی ناک دیکھ رہے تھے۔

دھڑکی ناک پر ہاتھوں تک کاٹتے نہیں تھا۔ چھو ہو گیا ضرور دھڑکیا نے کیس چٹل کیا ہو گا۔ جتنی کھل ہے نہ چلا نہ پٹی۔ یہاں تک کہ کھڑکی تک نہیں۔ لوگ گم گم اس کی ناک کو تک رہے ہیں اور دھڑکا سب کی اور حلقہ نظروں سے دیکھا پکا چلا آ رہا ہے۔

ٹھکان ہوا ناک آگ۔ "دھڑکا کھڑا ہوا۔ سب جانتی تھی ناک سے کون آگ۔ ہر اس بکھڑے ہم کو گرداوا۔ جیسی ہم بے ہوش ہو گیا۔"

ایک دم دھڑکی ہنگامہ بنگامہ ذکر دے گی اور سر پہٹ مڑا لگی میں نہ جانے کیا کہہ رہی تھی۔

ہاتھیں سے صاحب دھڑکا جھک جھک کر نہ جانے کیا کہہ رہے تھے۔ سب ایک دم بول رہے تھے اور کسی کو دھڑکا کی بات کھنے کی فرصت نہ تھی۔ اور دھڑکا کھنے کی بات نہیں نہ تھی۔ سب ہی دھڑکا بھولے ہوئے تھے۔ دھڑکا جلدی جلدی دھڑکی کا گوار سمیٹ رہا تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد چھوٹے دھڑکا ہاں سا ہو کر کھڑا گیا۔ اسے دھانسا دارے کا انہماک تھا جس پستل کیلئے کے چھبے کی دھڑکی میں دھڑکی ناک اور دھڑکی کے سہ سے خون لٹکا دیکھ کر کسی پچھلے نے ہاں میں کو فون کر دیا۔

ہسپتال کے ڈاکٹر بھی یہ وہ خاتون کے کھیر کے کیس کیلئے ان کی فٹ حرام کی۔ ہاں سرسٹا جی کہ فٹوں نے جان بوجھ کر بے وقوف بنا دیا۔

خود میرے اور خاتون کیسیان میں طاری تھا۔ جس کا الزام میں کسی نہ کسی قصہ کے منصوبہ بنا رہی تھی۔ میں جو خود کو غلبت روشن خیال دیکھی فٹ کا کام دھڑکا عام الزام سے بے حد قریب سمجھتی ہوں "ان کے پاس میں میں اتنا جانتی ہوں کہ کھیر کو قتل کی واردات نہیں کرتی ہوں۔ خود عورت کے برابر حقوق کی علم دھڑکا ہوا ناک کاٹنے تو غرت کرتی ہوں مگر عورت سو کی ناک کاٹنے تو دل چاہی ہوں۔ اب کھلی طرح کی بات ہے۔

وقت پر غلط دعو میں بھی نہ کیا تھا۔ غالب کو کہتے ہیں کہ وہ ترقی پسند تھے۔ اسوں نے انسان کی بھڑی پر نذر دیا ہے۔ اپنے لباس میں میراں نے کیا قدم اٹھا کر عورت کی بھڑی کو ابھارا تھا۔ عورت کے حقوق کو ابھارا تھا۔ عورت بھی اپنا حق حاصل کر سکتی ہے۔ اس کا خدا اس کا بچہ نہیں ہے۔ اس کا شوہر ہی اس کا خدا نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنے خدا تک براہ راست پہنچ سکتی ہے۔ میراں نے خدا سے رشتہ توڑ لیا اور کوئی اس کا بچہ نہ

بچا نہ نکلا۔
نئی نسل کا مستقبل کیا ہے؟

عصمت چغتائی سے چند سوال

ترقی پسند ادب کیا ہے؟

ہم اپنے بچے کو پید ا ہوتے ہی بتاتے ہیں کہ وہ جبر کھائے گی مٹھیں ہے۔ اسے صرف جبر کھانا ہے اور خصوصاً لڑکے کے لئے یہ ضروری ہے۔ لڑکیوں کی شادی کرنا ہے۔ لیکن اب لڑکی کے دل میں بھی ازال رہے ہیں کہ تجھے بھی جبر کھانا ہے۔ جبر کھانے کسی طرح سے کھد کمیں سے کھد نکال کر ہے کہ مشرق سے زیادہ مغرب میں جبر کھانے کے مواقع زیادہ ہیں۔ اس وقت لڑکا مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ وہ مغرب کی محبت میں نہیں جا رہا ہے۔ وہ مغرب کی تہذیب کی محبت میں نہیں جا رہا ہے۔ مغرب میں تو اسے طاقت ملتی ہے۔ وہ اس کے کالی میں جا رہا ہے۔ مغرب میں رہتا ہے۔ مغرب میں رہتا نظر رکھتا ہے۔ مغرب کی عقل کرنا نظر رکھتا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد صرف زیادہ سے زیادہ جبر کھانا ہے۔ جیسا ماہر غریب و مسوز غریب و اور دنیا کی آسائش غریب و مغرب کی عقل کو یہ تو ہم بچہ کو پید ا ہوتے ہی سکھا دیتے ہیں کہ وہ مغرب کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے ہم اس کے لئے بچپن میں گاڑا ہوا اسے کالوس خریدتے ہیں۔ اس کو انگریزی لباس پہاتے ہیں۔ بچی کو فراک پہاتے ہیں ہم اسے بیٹ پڑاتے ہیں۔ وہ بچی کیوں نہ مغرب کے رنگ میں رنگا رنگ ہو۔ ہر رنگ نکالتے کرتے ہیں کہ مغرب کے رنگ میں رنگ جانا ہے۔ ہم بچپن سے بچے کو مغرب کی طرف دھکیلنے ہیں اور مغرب کی چیزیں اس کو لاکر دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بازار سے پہلی آتی تھیں، بچوں کے لئے میس ہیں۔ اسے شہر ہی سے انگریزی تھیں دی جاتی ہیں۔ اسے لی ہی پڑھائی جاتی ہے۔

ایسا ادب جو انسان کی ترقی چاہے انسان کی بھڑی چاہے۔ وہ ادب وہ تربیت جو انسان کو پیچھے نہ دھکیلے۔ انسان کو دنیا کی انجلی مست چلائے۔ وہ ادب جو انسان کو علم و صحت اور دیگر حاصل کرنے میں دوسے اور جو ہر انسان کو برابر کا حق دیتے پر یقین رکھتا ہو۔ انسان کی زندگی کے صوبہ کا قائل ہو۔ انسان کو گندگی سے نکال کر صاف و شفاف نظام پر پہنچا دے۔ مکمل طور پر انسان کی بھڑی چاہے۔ اس کے سوچنے کے انداز پر ایسا اثر ڈالے کہ بھانے بچھے بچنے کے آگے نہ بڑھے۔ اندھیرے میں جانے کے بجائے اجالے میں آئے۔ وہ ادب ترقی پسند ادب ہے۔

ہم ہم ترقی پسند ادب سمجھتے ہیں تو ذہن کی وسعت لامحدود ہے۔ قصہ و کہانی، جمل اور غزل طریقت پر غرور و عمل کے کہہ سکتے ہیں انہیں جن سے انسان کی فطرت و بسود خصوص ہو وہی دراصل ترقی پسند ادب ہے۔ اندھیرے سے اجالے کی طرف ہر ادب لائے اس کو ترقی پسند ادب سمجھتے ہیں۔ ترقی پسند ادب کیا ہے انہیں ہوا بھد کرنا کل کے گھنے دھواں سے پشتر سے ترقی پسند ادب کھانا جا رہا ہے۔ سوچو وہ دور کے مسرت سے شعراء پید ا بھی نہیں ہو سکتے تھے انہیں اس وقت سے ترقی پسند ادب کھانا جا رہا ہے اور انہو بھی کھانا جانے گا۔

کیر کو کہتے ہیں کہ وہ ترقی پسند تھے۔ اقبال کو ترقی پسند مانتے ہیں حالانکہ اس

کھلانے انگریزی طرز کے دیئے جاتے ہیں۔ ہماری گزرا انگریزی تعلیم کی مدد سے ہو
 نظر سمجھا جاتا ہے کہ ہم باہر سے لاکر گزرا ہے کوہیں نہیں ہر جہز تو ہم باہر سے لاکر دیتے
 ہیں اور باہر کی ہر جہز اس کے دامن میں چھین سے بھرتے ہیں۔ اور اب جب وہ مغرب
 کی چاہا کرنے لگتا ہے تو ہم طاقت کس طرح کر سکتے ہیں۔ ہم اسے مغرب کی چاہا
 نکالتے ہیں اور مغرب کی چاہا ہم اس لئے کرتے ہیں کہ وہاں دولت ہے وہاں
 صنعت کاری دولت لاتی ہے۔ یہ دولت کی ہوس ہے جو ہمارے دلوں
 میں مشرقی تہذیب کے خلاف غارت پیدا کرتی ہے اور مغرب کی تہذیب کو اپنے لئے کی
 دولت دیتی ہے۔ ہمارا ہرگز کیا ہے؟ ہمارا ہرگز آج کی زندگی میں یہ کار ہے۔ ہمارا ہرگز
 نکتہ چاہا ہے۔ اب کہاں چاہائی اور طاقتیں لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نہ وہ گاڑ لگے ہیں
 اور نہ حصے ہے اور نہ وہ قیمت ہیں اور نہ وہ سود ہے اور نہ وہ قیمت ہیں۔ اب سب
 صوفیہ بیٹہ پر بیٹھتے ہیں۔ دسڑ خوں جانب ہو گیا۔ اب کھانے کے لئے کھانے کی
 خصوصیت میز اور کرسیاں ہیں۔ ہم اپنے بچے کو مغرب کی تعلیم کرنے کے لئے بھی پالتے
 ہیں۔ ہمیں اس سے کیا طاقت ہے؟ وہ مغرب کی اچھانیاں بھی لیتا ہے۔ ہم اسے مغرب
 کی طرف بھیجتے ہیں۔ نظر دیکھتے ہیں کہ وہ وہاں سے انگری لاسے ہے کاکوئی قصور نہیں
 ہے انہو لوگوں کاکوئی قصور نہیں ہے۔ اگر وہ اور ہے؟ کھڑے ہیں۔ ان سے کہا جا سکتا
 کہ مشرقی تہذیب کی طرف دھیان دے۔ ہمارا تہذیب ہے کہاں؟ کھتے ہیں اب ہم اپنے
 بچوں کو اپنی تہذیب و تمدن کی تعلیم دیتے ہیں کھتے والدین ہیں جو اپنے بچوں کو
 موٹو اور دھوکا کھانے لے جاتے ہیں۔ کھتے ہیں اب ہم اپنے بچوں کو جانب کھڑے جا
 کر انہیں اپنے ملک کے آثار قدیمہ سے واقف کراتے ہیں۔ سب مغربی دانش اور
 طرز تفکر کی تعلیم کرتے ہیں۔ آج بھی ہمارا طریقہ تعلیم مغربی ہے۔ آپ ہی دیکھئے کہ
 انگریز چاہا کیا لیکن انگریزی اب بھی ہماری زندگی کا سارا ہے۔ انگری انگریزی سے خلق
 ہے۔ انگریزی تعلیم سے خلق ہے۔ ہندی اور اردو مفہوم پر ہے۔ غریب کوئی کو ہندی
 پڑھاتے ہیں تاکہ وہ حدود و دائرے میں سمجھتا رہے اور ہمیں حکومت کی باگ اور
 سنبھالنے سے وہ مغربی تعلیم حاصل کرتے ہیں مغربی تعلیم سے حکومت کی پالی ہے۔ حاکم

بچے کے بعد دولت جمع کی جا سکتی ہے۔ ہمارا اور یہ تعلیم مغربی ہے۔ جب ہم اپنے ملک
 میں رہتے ہوئے مغربی اصولا گرہ رکھتے ہیں اور اس پر عمل کر رہے ہیں تو ہر کس طرح
 بچوں اور جوانوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے دور رکھ سکتے ہیں۔ جب ہم نے اپنی
 تہذیب کو خیرباد کہہ دیا تو ہر ہم کس منصب سے اپنے بچوں سے کہیں کہ مغرب سے دور
 برا کہ اس لئے کہ مغرب اور اس کی باتیں ہمارے گھرؤں میں داخل ہو چکی ہیں جس کو
 ہم گھر سے باہر نہیں نکال سکتے یا نکالنا نہیں چاہتے۔ اسے ملک پر دیا کیا شریہ دیکھی نہیں
 کر سکتے۔ ہم نے سلیہ قام اقوام سے آزادی حاصل کی مگر ہم آج بھی مصافحی طور پر
 مغربی اقوام کے ہیں۔ مغربی اقوام تو فعال اور دولت مند ہیں کہ قوتی پذیر ملکوں کو غریب
 سے غریب تو رکھتا چاہتی ہیں۔ اب اہمیت اس امر کی ہے کہ ہم خود احتسابی پیدا کریں۔
 اور خود احتسابی قوتی پیدا کر لیں۔ اب یہ یاد رکھنا ہے۔ اگر ہمارے انہوں نے عوام کی
 بھڑکی کے لئے اپنے حکم کو استعمال نہ کیا تو ہمیں الموس ہو گا اس لئے کہ جو غریب اسماعیلی
 کوہ مٹک حالات کا مضامین سے نہ سوا کر بھل داتی افراط کی خاطر مطالعین نہیں گئے۔
 ان میں کوئی جان نہ ہو گی اور یہ جان نے یہ سنی ہوئی ہے۔

لے یہ کہ شروع کر دیا کہ ہر طبقے میں سب سے پہلے کرشن چندر کے بارے میں تحصیل سے خبر دلائی کے فرائض اہم وقت ہر کوئی دوسری بات کر لی۔ دوسری شخصیت جس کے بارے میں لوگ بحث کر سوتی کرتے ہیں وہ جی جی ہیں۔ میں نے ان کے بے بدل کے بچنے کی خوش فہمی بجا دئی اور سب کو بڑا انگڑا ہے۔

دو اڑے بند ہو جاتے ہیں جو اور بندہ گئی ہے۔ غم و غم سے خلق دیکھنے والے اپنے ہندو لوگوں اور شاہوں کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کے لئے ہے۔ کب ہیں۔ یہاں تک کی سرحدیں بجا اور ہے جس نظر آتی ہیں۔ بلکہ دوسری نے اور شوق کی آگ کو بھرا دیا ہے۔ انسان سے جو چیز چھپی جاسے اس کی طرف پھٹتا ہے۔ سارے پروپیگنڈے بہت چا جاتے ہیں۔

اپنے قہقہے کے واسطے ان میں نے سوچا شاید لطیف کے رشتہ داروں کو فون کریں کہ نہ کہیں۔ ان کے بعد سے رشتہ ختم ہوا۔ گیلہ ہر کسی دل نہ مارا۔ میں نے ٹیلی فون انڈیا میں ٹھیکوں ڈھونڈا۔ فہر معلوم کر کے ٹیکو لطیف اور موسیٰ اشرف کو فون کیا۔ وہ دونوں شکوہ کے ذریعہ بھائی کے ملا اور بھیجے ہوئے ہیں۔ دونوں آئے اور مجھے اسی دم چھین ہو گیا کہ انسان نہ توڑتا چاہے تو دنیا کا کوئی رشتہ نہیں توڑا۔ شکوہ کے بھائی عقیدت اللہ خاں بھی آئے۔ کوئی نہیں۔ وہ ان الفاظ میں برسوں میں ایک دن بھی تو نہیں

ہوا۔ سب قریبی رشتہ داروں کی طرف خاطر میں کرتے ہیں۔ دعوت اور خاندان لطیف نے دونوں ہاتھوں سے مجھے سمیٹ لیا۔ میرا ہر وہ گرم من کے ہاتھ میں تھا۔ سچ کہیں بیٹنگ ہے وہ ہر کچھ کس کے ہاں ہے شام کو کہیں چائے پیتی ہے اور رات کا کھانا کس کے ہاں ہو گا۔ ٹیلی فون چلے آ رہے ہیں۔ پاکستانی دلوں کو کھانے اور چائے پر چائے پانے کا بہانہ ہے۔ اگر میں سب دعوتیں قبول کرنے کی سکت رکھتی تو کم سے کم

(۱۶) چہ مینے چاہتا تھا۔ ایک مینے کار بڑا لے کر گئی تھی۔ ایک مینے کار بڑا چھوڑا۔ ہر کسی سے ملنے کا شوق رہا۔ کوئی بیٹنگ نہ تھی۔ نہ مینے میں کھانے پینے کا شوق نہ ہو۔ اور کوئی دعوت ایسی نہ تھی جس میں بیٹنگ کا مین نہ بندہ جاتا ہو۔ بس سوالوں کی بوجھاؤ ہوئے تھے۔ سب سے پہلا سوال تو یہ کہ "رتی ہندو کب لے ہندوستان میں دم

تورادوتا۔

میں سمجھتی یہ مسئلہ تو اب بہت سزا گیا ہے۔ کچھلے تھے۔ اس سے پہلے میں دی ہوں کہ رتی ہندو کب کی بہت اچھی تھیں آج بھی ہزاروں میل دور سے زندگی میں پہلی بار آپ کے ہاں آئی ہوں تو آپ مجھے رتی ہندو بھی کہیں چلے ہندو رتی ہندو کی طرح بہت بار بار پوچھتے ہیں مگر رتی ہندو کب زندہ ہو گا تو آج آپ انکی جی تھو لو میں یہ پوچھنے سے منع نہ ہوتے۔ کہ کرشن چندر کی صحبت کبھی ہے؟ آپ کو انہیں نہیں پڑھتے والے زندہ دیکھتے ہیں۔ آپ تک پڑھنے والے زندہ ہیں کے آپ نہیں مرے گا۔ دوسرا سوال جو ہر بیٹنگ میں بار بار اٹھتا جاتا ہے وہ تھا کیا اردو کو ہندوستان میں داخل ختم کر دیا گیا۔ کیا اردو رسم الخط ختم ہو رہا ہے؟

میں سمجھتی کہ اردو رسم الخط ہندوستان میں ختم ہو رہا ہے لیکن اسے زندہ رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ اردو لکھنے کی شاخیں کھیل رہی ہیں جو اردو کی جان کے لئے بہت جان فکری سے جی ہوئی ہے۔ اب اردو کے چارے ہیں انہوں کو کتابیں پھرانے کے لئے دوسری جا رہی ہے۔ اردو کی لاہوریوں کو پیچھے دیکھ جا رہے ہیں۔ دیکھے اردو زبان پر دے ہندوستان میں تھوڑی بہت بچی جاتی ہے۔ ٹھیکس اردو میں جی جی ہندی میں ٹھیکس۔ غریبوں اور قادیان کی ٹھیکس بہت ہندی جاتی ہیں۔ آزادی

سے پہلے انہی نے نہ جانی ہوں گی۔ جی جی آپ کی جاتی ہیں۔ مشاعرے سارے ملک میں جاتے کا سہا پہ ہوتے ہیں۔ اگر کچھ پوچھتے تو اردو ہندوستان کی ٹھیکس ہندی ہندی زبان انہی جا رہی ہے۔ عام بات ہیبت میں کوئی ہندی نہیں بولتا۔ اب بھی ہندوستان میں پاکستان سے اردو آبادی اردو سمجھتی اور لکھتی ہے۔

مگر جو ٹھیک جی جی ہندی سے اردو رتی بات کو انہوں کی سرخیاں جاتے ہیں سب انہوں میں میں نے سو سال دہرایا تھا۔ اسی کو میرا بیان ہا کر چھاپا۔ میں نے تخریب چاہی کہ آپ نے میرا دہرایا بیان کیوں نہیں چھاپا تو بھیس بھانکے گئے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں یہ ہی کہ خوشی ہوئی کہ ہندوستان میں اردو کی حالت خراب ہے۔ اس طرح پاکستان کے قیام کو تحقیر ملتی ہے۔

لڑائیاں وہیں سرحدوں کے درجن بدوشی ہم کر رہی ہیں۔ ہندوستان کے لئے تو یہ ماہیات ہے لیکن پاکستان میں یہ بڑی قابل غریب بات ہے۔ ہماری چار لڑائیاں سے متعلقہ ہوئی تو علمبرداروں میں ہم گمراہ ہیں۔ انہوں نے ہندو کا پاکستان میں ایسے لوگ سمجھ دیے جو ایسی لڑائیاں نہ جانتے بلکہ غلطی کرتے ہیں۔ وہیں بازار میں کوئی اپنی کوئی نہیں گھوم رہا کرتی۔ جنسی میں نہیں جانتی۔ بس میں لوگ بدتمیزیاں کرتے ہیں۔ ایسے احوال میں دلیری سے ہم نہ اٹھ سکتے ہیں۔

بہت لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اگر عورتیں نکاح کریں گی تو ان کے ہاں بچے
 رہیں نہ جائیں گے۔ مگر جہاں جائیں گے وہاں بچے ہیں۔ مگر خیر سے لگے ہوئے آتے
 ہیں تو ان عورتیں تو آزاد ہوتی ہیں۔ مگر یہی ایسے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں جو
 اپنی آزادی کے نکاح کرنے پر فکر کرتے ہیں۔ مگر انہیں میں ایسے لوگوں کو دیکھ کر حیرت
 ہوتی ہے جو بے سوچہ واصل سے فکر کرتے ہیں اور اپنی بیویوں کو نکاح کرنے دیتے
 ہیں اور ان پر فکر کرتے ہیں۔ شوہر کی ان اچھی تعلیمی پر مبنی عورتیں نکاح کرتی ہیں۔
 ساتھ ساتھ ان لوگوں میں بھی جاتی ہیں۔ ان لوگوں کی وہاں بڑی ہمت ہے مگر بڑے کمزور
 ہیں۔ یہ وہاں سب اچھی طرح نکاح پر متفق ہیں۔ بلکہ ان کی باتیں بچکے کے ہاں توڑا
 کرتی ہیں۔

یہاں انسان کے سوا اگر چوں کی طرح ان کی گھرداری میں دو قسمیں کرتے۔ پہلی
تیارے ملک کے مہول کی طرح دختر سے اگر کسی عورت پر رچا ہوا ہے۔ خیر کیا نام ہے کہ
اس کی اور طرح کی آزمائی دے رہی ہے۔

○ جب رانگڑوں کی جنگ چلی، تو کپ دی۔ وہیں ممتاز حسین نے حالات کو دیکھا۔
چاہیچ خواجہ صاحب لاہوری کا کاملاً صحیح کھجما ہوا تھا۔ بلکہ کہہ لوگ ہمارے اس ہمارے
فٹ ہاتھ پر جمع تھے۔ لوگوں نے مسخوں پر سے۔ جب میرے بولنے کی باری آئی تو
مکلی خراب ہو گئی۔ میں نے سہاچار ہاں پہنائی گئے بولنے میں سخت تکلیف ہوا کرتی
ہے۔ مکلی پلن کہتے صاحب دی لوگ میرے دے نور میں ان کو کراف کہہ کر انہیں جیتے رہی
انکھ سے دھماکا کرتی رہی۔ خدا خدا کر کے مکلی آئی۔ کہہ اچھا یہ خدا کر خدا خدا

میں نے پوچھا کہ آپ نے بھی تو مسعود غلبرے میں "ضمہ لکھا تھا۔ مسعود اور میں بھی جس کے گواہ ہیں۔ اس کا جواب بھی جلی جاتے ہیں۔ زیادہ تو ایک ایسے ہی شخص سے ہے۔ اور وہ جس کی پہلے پہلے پاکستان خواہ ہو آج کے اس طرح کا دارا درشت استوار ہوا ہے۔ مسعود لوب جلی بھی پیدا ہوا ہے ہم اسے اپنا سمجھتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ کہہ کر مسعود میں بیچتا ہے وہ پاکستان نہیں نہ کہیں سے حاصل کر کے اور لوب میں شامل کر لیتا ہے۔ لیکن یہی لوب کو ہر اور سے بہت دور نہیں شامل کرنے کا بھی کسی کو خیال نہیں آتا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہیں شاید ہی کوئی ایسی یہی جانتا ہو کہ اور میں منتقل کر سکے۔ ویسے یہی کے الفاظ نے مسعود میں بہت متاثر ہیں۔ ان کا استعمال اپنی زبان پر رہا ہے۔ جس پر بعض تک چرسے مسخر ہوتے ہیں۔ لیکن جمیل الدین حالی جو عناصر پاکستانی ہیں اور ان کے اصحاب اور شاعری یہی کے الفاظ بہت استعمال کرتے ہیں۔ اور میں یہی کے استعمال سے اپنی غرض دور کی یہ اگر دلی ہے اور زبان کو درست ملی ہے۔ ان یہی الفاظ کو جڑی جلی شاعری سے چٹا گیا ہے۔ مسعود اور میں بھی ان کے علم معلوم ہے جو شاعری "یہی میں ہے اور اس قدر لطیف اور نرم یہی الفاظ استعمال کے گئے ہیں کہ حوا آ جاتا ہے۔ ایک بھی عقلی اور اوجھل تھا نہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جو ان کی اس حرکت کو پاکستان اور مسعود سے نہ داری کا لقب دیتے ہیں۔ جب غرض یہ ہے کہ میں یہی کے الفاظ آگے تو دہرائی لوب میں لگے۔ ان میں بھی نے داری کے ساتھ نہ داری کرنے کا لڑا نہیں لگایا۔

سرحد وفاقہ کاغذ میں لکھیں اور ملاقات کو، کچھ کریمت خانی ہوئی۔ انہوں کو تعلیم کا بہت شوق ہے۔ خاص طور پر سائنس پر بہت زور دے رہی ہیں۔ لوگوں سے زیادہ انہیں سائنس کی طرف جھنجکی ہیں۔ عموماً انہیں کوہوم سائنس کمانے چاہئے۔ پڑھنے کے کو اس سے دلچسپی ہوئی ہے لیکن پاکستان کی زیادہ تر انہیں ڈاکٹر اور انجینئر بننا چاہتی ہیں۔ شادی کے بعد ہم کرنا چاہی میں ضروری سمجھتی ہیں۔ زیادہ تر انہیں وہ ہیں جن کی ماںیں ربح اور لادنی میں اور تعلیم سے بے بہرہ تھیں۔ ان کی یہ پہلی کھپہ ہے۔ اعلیٰ تعلیم پر مصر ہے۔

عقب ہو گیا۔ بزرگ نہیں تھے زیادہ تر نو جوان تھے ان سے باتیں ہی تو کرنا تھیں پھر تو
میں نے ان کا حال

اور کسی کے تعلق سے باتیں کرنے سے کبھی ہمت نہ کی۔ سب سے پہلے تو میں
نے بعد ستان کے دانشوروں 'فوجیوں' 'شاعروں' 'فنی' کا دل اور عوام کی طرف سے
پاکستان والوں کو بہت بہت چارو مالوہ سلام پہنچایا۔ اس پر بڑے دود سے اور دو تک
انکلیاں بھیجیں اور جب میں نے یہ کاکا کو دودا سے کل جا میں لانا اور صدی میں لاونٹ
گائی اور نور علی اور محمد رفیع ساتھ گائیں تو میں تو بعد ستان اور پاکستان مسلم
اعلیٰ۔ ہم سب ایک اور شاعر نہیں سہو ڈاکو کوئی راہیں تلاش کریں کہ ہمارے
دلوں تک انکلی کی وہ جتنی پہنچا سکیں۔ ایک کاجولہ ہو۔ دلوں تک کاجولہ پہنچا سکیں
ہو اور وہ جیسا علم، صحت اور خوش حالی کے ہوں۔ میں نے سوار بھڑی کی فلم 'صبح
نور' کا حال بھی دلا اور صبح خوشی سے مجسم اہل علم کسی ملک کے ہوں سبھی سے
ماہر آجاتے ہیں۔ ہم غلوہ دوسلی طور پر تھیں اور وہیں دلوں تک تو ایک دوسرے کے
لے پہنچا تھا۔

۱۹۶۶ء ۲۴ جنوری کو پریس کلب نے نہ ایک کلب کے صدر یہ ان اچھوٹی نے
ایک مضمون چھاپا جس میں کھیلانی صورت بنانے لگی دی۔ پھر سوچ کر دل کو کھجایا
کہ یہ میرے لئے نہیں اس فلم کے بارے میں کہ رہے ہیں وہ اتفاق سے میرے ہاتھ
تک گیا۔ اسے لیٹی کے حکم اور میں نے ایک پلاٹا ہوا مضمون چھاپا جس کا ہر جملہ
پتھاری کی طرح پتھار پتھار میں ہر شخص کو پتھار میں سے لیتی ہوں پھر جب کوئی میرے
لوہ پتھری پتھری ہے تو مجھے پتھار پتھار ہے جیسے میرے کتا ہوں کی جاتی ہو دی ہو
اس جگہ میں بہت سے کراچی کے صحافیوں اور اہل فلم سے ملاقات ہوئی۔

دوسرے دن سچا دھڑا پاکستان کی ٹرانسکریپشن سوس نے کوئی سوانحہ کا شروع
لایا۔ پھر ستان پر چند فلمی کے شعبہ اور کے صدر پر دھڑا پتھری میں نے ہر سوانحہ کو
اس کھنگھوں میں پھیر دیا۔ سوانحہ پتھار کا اڑ گیا۔

شام کو پاکستان آرٹس کونسل نے 'شہار خاتون' کے تصویب سے ایک استقبال

فرار کچ کا ہاتھ بھی خالی نہیں گیا۔ ایک صاحب لیاہت پر چھن صورت واصل میں اسے
ہوئے آئے۔

"میں چوں کل سے سانپوں پر کیا ہوں گی کھنڈ سے مگر تلاش کر رہا ہوں۔"
"پہلے کچھ کھنڈ اسٹوڈیو۔"

"میں کھنڈ ہو رہی ہے۔"

وہ میں نہیں کرتے رہے مگر بہت بھاگ کر شہت روح افزا لے آئی۔ ایک
دم فٹ تھکا کر لی گئے۔
موردہ

"پانی ہی کھلا دیجئے۔" وہ کچھ نام ہو کر بولے۔ مگر بہت تھک کر وہ سوا گھاس
چلائی۔ اور کچھ نام بھی رہے پھر بولے کہ کتنے چہرے کیے ہیں؟

میں نے کہ کتنے چہرے کی باری باری دیکھ کر بہت صحت ہوئے کامل چلا۔ بخٹی ہی ایک دم
کڑے ہو گئے۔ بولے "چہرے ہوں۔" جب کہ میرے ہاؤں پھر کراہت پاتھے سے لگا
اور ایک چہرے میں ابر کل گئے۔ ہم لوگ بکا ایک دم سرے کی صورت مجھے گئے۔
ہم بھی تو پچھتے کی صلت نہ دی کہ کتنے کو کتنی قصدا کوئی دیا نہ قصدا

خیریت سے کہیں ہاؤں کہ کھانگ گیا۔ کھنڈ کھنڈ چاہئے!
آرٹس کونسل کا جلسہ دلچسپ رہا۔ عظیم اختر نے بڑے ظلم سے خوش کردہ
کچھ مشہور ماہرین راہنہ اکثر عظیم راہنہ صدیقی 'رہنما' اسوہ ہی اور حقی صاحب
سے ملاقات ہوئی۔ شبنم اہل حق کو نہ جانے کتنی صدیوں پہلے دلی میں دیکھا تھا۔ جب
ان کی وہی سلی لیاہت بھولی بھولی کی طرح ڈاکو تھیں۔ کچھ پتھار پتھار ہے۔ مزید
سے لیتی ہوں 'ایسا لگتا ہے کہیں دیکھا ہے شاید۔' کئی فلم میں۔ میرے کچھ اچھے اچھے سارے
ایسے ہیں جو پاکستان کے فلم کے بعد پیدا ہوئے۔ میرے نور ان کے درمیان کسی کسی
دو دیاں ہیں۔

انگرا اعلیٰ، عین بھولی، صابت علی شاعر اور انجم دہلی نے اپنا کام چلایا۔
پاکستان کے نو جوان شعراء کے کام میں جلی جان ہے۔ وہ لوگ وقت سے وابستہ ہیں

قائم ہو رہی ہیں۔ جو اردو کے انہیں کو اچھا لڑا دیتی ہیں۔ کتاب چھڑانے کے لئے اور
 دیتی ہیں۔ اردو لکھنویوں کو سارا دے رہی ہیں۔ حال ہی میں بہت سے اردو کے
 رسالے چل گئے ہیں۔ کی صورتوں سے سرکار بھی اردو کے پرستہ نکل رہی ہے۔
 ہندوستان میں اردو زندہ ہے اور آثار کھینچے ہیں زندہ رہے گی۔

میں کو کہ ہندوستان میں اردو نے دم توڑ دیا تو پاکستان میں زبان میں رابطہ قائم
 رکھیں گے گا۔ "یاد میں لکھا۔ اگر پاکستان کو اردو کی تہی ہندوستان میں منکروہ تو اسے
 کون دیتا ہے۔ آپ نے اردو میں جہاں پھر دیتے ہمارے رسالوں کو اپنا کچھ کر ان
 میں لکھتے۔ اردو کے انہیں کو اچھا لڑا دیتے۔ اچھا لڑا رہی سے اردو کے انہیں کی کتابیں
 بھی اگر راقی دیتے۔ اردو کے رسالوں کے لئے پاکستان کے روزانہ کھول دیتے۔
 ہمیں اپنے کہوں کو دینے والے دیتے۔ ہر رسالہ پتہ جانے گا۔ کیا اندر میرے۔
 دونوں ملکوں کے ادیب تھیں اچھا رہے ہیں۔ لکھنؤ اور کے بیشتر ملت تھیں ادا کر
 چھاپ رہے ہیں اور راقی مسلم کرو رہے ہیں۔ کیا اس کا کوئی طریقہ نہیں کیا دونوں ملک
 ل کر کوئی ایسی راہ نہیں نکال سکتے کہ ادیب لکھتے والے ہمارے نہ جائیں۔ اس کی محنت
 بہ محتاج طور پر رہے ہیں۔ اس ہے ہمارے کی راہ سے نہ فرما۔" ہم نے انہیں اور
 دونوں ملکوں کے فنکاروں اور دانشوروں کے چارے پر بھی غور کیا۔ اور اس فیصلے پر
 پہنچے کہ دونوں ملک اس سے طے لکھنا شروع سے قائم اچھا لکھتے ہیں۔ بے شک ہمارے
 ملک کے درمیان ہمارا اور اس میں اچھا لکھی ہیں۔ ہم عربی سماج کی موت چاہنا نکل
 کر لیتے ہیں لیکن ہم کی بات نہیں کرتے امریکہ اور نہ ہی نام کی رنگ کس قدر ہوا خاک
 خمی۔ اب سب کچھ فراموش کر کے ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ پھیر رہے۔

لکھنؤ میں ہمیں چاہتا تھا کہ ہمیں علم ہوں لیکن وقت اتنی چڑی سے گزر رہا کہ پتہ ہی نہ
 چلا۔ اسی دن شام کو انہیں تہی پتہ مصطفیٰ نے صاحب لاہوری میں ایک جلسہ منعقد
 منعقد کیا اور تقریریں اور سوال و جواب کے بعد لوگ اس جلسہ پر پہنچے کہ تہی پتہ کا
 کچھ صحراوں سے زندہ ہے اور جب تک انسان زندہ ہے جیتی رہے گی۔ انسان کے سفر
 حیران کی کوئی نہ سحر نہیں۔ دیکھا جائے گا اور زندہ مانگا جائے گا۔ کچھ ہو رہی ہے پھر

زندگی سے قریب اور اپنے مسائل سے بچنے۔ کچھ انہیں کو پھر رہے ہیں انہیں کی دولت
 سوس نے ایک مہانت دیکھا کیا اس میں ہمارے مسودہ "موسم شام" اور انہیں مکتبی اور خیرات
 خاں "مست" کے کالم نویس بھی شامل تھے۔ پہلے انہیں سے زیادہ طویل تھا اور ہم
 نے ہی ہر کے زندگی کے ہر پہلو پر بات چیت کی۔ ہندوستانی انہیں کی خیریت سے
 لے کر تہی پتہ اور ہندو ادیب تک سب کو کھلا دیا۔ ادیب میں ہمارے ہاں نہیں ہے
 تو نہیں ہے۔ نے ادیب کی عظمت۔ وہ اصول جس سے ناپا آتا ہوا ہے۔ اور ان
 کو اپنے اندر ہی اندر ہمیں کر زندگی کے ہر سوال کا جواب مانگا رہا ہے۔

"یہ" نے ادیب کو اپنے ادیب چھینے کا موقع نہیں دیتے۔
 "یہ خط ہے کچھ ہر رسالہ میں اگر ایک کھلی ہے اپنے ادیب کی ہوتی ہے تو ہمار
 لکھنویوں کی ہوتی ہیں۔"
 "پھر شاید وہ لکھنویوں کی درجہ ملی نہیں کرتے۔"
 "کیسے درجہ ملی کریں؟"

"آجیہ کہ پہلی فرصت میں ہر جا میں اور دست کر جائیں کہ ان کے انہیں کی
 ملتی ہو رہی جائیگی۔" میں نے دہلی زبان میں دے دی۔

بات نہیں میں کی گئی اور ہم اس جلسہ پر پہنچے کہ نے ادیب جلی شان سے بیٹا اور
 رہے ہیں اچھا تو میں ہر کتاب کو کی کوئی کھلی تھے اور کھلی ادیب بن جانتے جتے جتے
 حال بہت جاتے ہیں۔ ہندوستان میں ہمیں کما جاتا ہے کہ اردو کو اس کا حق نہیں دے سکتے
 ادیب ابھرے ہیں۔ "قاضی عبدالستار" "فیث احمد گدی" "رام گلشن" "بیگم" "پرو" "انہیں
 میں" "امید" "محم" "اسلامی" ادیب لکھتے والوں میں بھی ابھر رہے ہیں۔ ہمارے عزیزانے اپنا
 ایک مقام بنا لیا ہے۔ ہر کہ وہاں ہم لکھتے ہیں اور بہت سے نے لکھتے والوں میں جن کے
 ہم انہیں زبان کو عام نہیں ہوتے ہیں اگر بہت نہ ہر لکھتے تو ایک والد کی یاد اچھے
 انہیں کی کمزوری ہونے لگتی ہندوستان میں اردو کی ہمارا سوال اچھا میں نے ہمارا کہ
 اردو کے ساتھ ہندوستان میں زیادتی ہو رہی ہے اسے وہ مقام نہیں دے جس کی وہ حق دار
 تھی لیکن اب اسے زندہ رکھنے کے لئے جن کچھ ہمارے ہیں۔ اردو کی لڑائی کی شایعیں

کے پاس رحمت اور مہربانی کا نام اور پہلی اور پہلی بھی ملے۔ ان کو غلام ہے
 گھٹ کر شکر کرنے کا اور ان کی حق پرست ہے۔ رحمت ملے تو تین چار دن ہا کر ان کے ساتھ
 رہوں۔ سچے اکثر کو اچھا دوست ملک عزیز میں طالب ایک ایک خطی دیکھی۔ اس کا
 اسکرین پلے اور انٹرکٹن طبعی اور اہم لے کیا ہے۔ یہ وہ خصوصیت رہ گئی ہے۔
 نے وہ لاکھ میں ایسی غم بھرا حیرت کی بات ہے۔ یہ وہ خصوصیت رہ سکتی ہے۔ غم سے
 ابرو اور آجے کہ خلق اور اہم کو موضوع سے گھری ہو گئی رہی ہو گی۔

شمار کو سلاطین عراق اہم ہوتی ہے۔ کی کتاب "پہیلی" کی رقم اور وہ میں
 شریعت کے کمال ہے۔ چار سو دست جمع خاندان میں بھی وہی سلاطین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔
 پاکستان کے دور انوں کے دربار میں کتنے سلاطین اور غم چار ہے ہیں۔ اس دوری لے
 ہم لوگوں کو ایک دور سے نکالنا چاہتا ہوں۔ ان کی انکی دیکھی دیکھ کر یہ چلا کہ
 تو یہ ان طبقہ کو اہم کے مستقبل کی فکر ہے۔ وہ لوگوں کو یہ کہہ رہا ہوں اسامی کرتے ہیں۔
 سیاری لوہ اور جو معاشی میں ایک ایک چلے چکے ہیں۔ اس دور میں ایک ایک گیت ہے۔
 کوئی لوہہ سہلہ کا نام اور غلام گھر کر گزرتا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ غلام رہے
 کوئی کوئی اور کام کرنا چاہتا ہے۔ پاکستان میں بھی لوہ کی حالت بہت بد حال ہے
 زیادہ غلط نہیں۔ حالانکہ وہاں بہت زیادہ سلسلے تھے ہیں۔ اور ان میں سے بہت
 سے لوگ کچھ ہوئے ہیں۔ وہاں بھی کاروباری لوہ کام آتا ہے۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ لوہ اور شکر کو اہم کی خدمت کرنا چاہئے۔ دولت
 کیا ہے کی طرف میں گنا چاہئے۔ حالانکہ لوہ کو بھی چاہئے ہے۔ مکان کا کرنا
 رہا ہے۔ آپ کہہ چکے ہیں۔ آپ وہاں چار سو گزرتا ہے۔ وہاں ایک ایک گھر ہے۔
 ہمارے ہاں میں کہہ رہے ہیں۔ کوئی ایسا لوہہ نظر نہیں آتا جو اپنے غم سے گھر سوز
 اور غلیظ فن کا فرج بدداشت کر کے تعلیم غم کرنے کے بعد والدین چاہتے ہیں جتنی
 اپنے ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ جو انہیں زندگی سے ملے ہے اسے لوہے کی فکر کریں۔
 شادی کا نہیں اور اس میں کسی کی طرف زندگی کی گواہی میں بہت چاہئے۔

مگر تو کہیں ہر لوگوں سے کہہ رہا ہوں ہوتی ہیں۔ پاکستان میں لڑکیاں جی

تجزی سے کہہ رہی ہیں۔ شاعری کے میدان میں بھی آگے بڑھ رہی ہیں۔ جی تو وہاں
 ہاں شاعر ہو رہے ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ جو عورتوں کے نام سے ہاں لکھ کر
 چھوڑتے ہیں تو زیادہ تھیل ہوتے ہیں۔ یہ وہ شیک ہاں ہوتے ہیں۔ اور سینے میں
 دس بارہ ایکٹ میں آجاتے ہیں۔ ایک خاص طبقہ انہیں چاہے شوق سے چاہتا ہے۔
 ان کے علاوہ جاسوسی ہاںوں کی بھی جی جی کہتے ہیں۔ بعض لوہ طبقہ ہاںوں سے اپنے
 ہاں سینے میں پانچ چھ کہہ دیتے ہیں۔ اور ان کا کام چل جاتا ہے۔ یہ ہاں اپنے ہیں کہ
 اپنا کمال حاصل نہیں ہوتا ہے۔ وہ بھی نہیں رہتے انہیں تفریح کے لئے چاہ کر ہلا دیا جاتا
 ہے اور پھر چاہ لیا جاتا ہے۔ جب سے بی وی آیا ہے لوگوں کو وقت اچھا گزر جاتا ہے۔
 پاکستان میں بی وی کا پروگرام کافی دلچسپ ہو گیا ہے۔ بہت میں تین چار بارے آتے
 ہیں۔ کوئی ہاں قضا اور جی کیا جاتا ہے۔ جو بہت تھیل ہو گیا ہے۔ میں بہت وہاں جی تو

اسے کہہ رہی ہوں کہ ہاں "میں" چل رہا تھا تو گھر کا کام بہت بڑا کرتا ہے۔ ہاں انہماک سے
 دیکھتے تھے ایک صاحب کے بچے کی شادی تھی۔ انہیں سے منہ کی رقم کے لئے وہی
 وقت مقرر کیا جائے گا کہ "میں" کے لئے وقت تھا۔ ان صاحب نے کہہ دیا میں اس
 وقت شریک نہیں ہو سکوں گی اس وقت "میں" دیکھتی ہوں۔ لڑکی کی گھڑی ٹل جاتے
 گھر "میں" کے وقت میں غل جاتا ہے۔ اچھے اور بڑے بڑے لوہ بی وی کے لئے
 کہتے ہیں اور جہاں مشکل حل ہوتے ہیں۔ غلط چیزیں ان پروگراموں کا فرج
 بدداشت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ پروگراموں کو ان کی کھلی کا اختیار چاہئے۔

جیل الدین علی مع الہی بیک کے وقت کو بٹے کے لئے آئے۔ بہت دیر تک
 بیٹھی چلی رہیں۔ ہاں شاعر بھی خوب ہیں گھر کی باتوں میں وقت اپنے گزر جاتا ہے کہ
 یہ ہی میں چلا۔

ساتھ اکثر کو پیش سے زہم دیکھتے تھے۔ وہاں وہ پیش اور دیکھ "امریکی کو نسبت
 کی بیک سوزور کا اختیار ہے" رہی تھیں۔ خواتین نے مجھے بھی پکار لیا اور یہ زہم
 نہیں کہہ سکی۔ سوزور سے نکلا کہ امریکہ میں کبے خواتین گھر والی سے وقت نکال کر
 سوشل ورک کرتی ہیں اپنی بھینوں میں شریک ہوتی ہیں۔ انہماک میں دیکھی جاتی ہیں۔

ہوئے اور داری کے عد سے چھوٹے بیٹھی ہیں۔ سیاست میں بھی پیچھے نہیں۔ میں نے
 ان سے پچھا کہ ان عورتوں کے بارے میں ہمارے ملک میں یہ سب بات کیوں نہیں
 پایا جاتا۔ ہمارے ملک تو آپ کے ٹاؤن اور گندہ کی کتابیں "نیگزین" اور "مارکس" سے
 بھر پور نہیں جانتی ہیں جن سے اندازہ ہو جائے کہ امریکہ میں عورتوں کا حال کرو
 ہیں یا ذلیل بناد۔ آپ لوگ اپنے کو اڑے پڑھائی نہیں لگاتے۔ اس سے آپ
 کے ملک کی سماجی صورت حال تک پہنچتی ہیں۔ وہ نیگزین عام طور پر بچے ہیں ان میں
 سوائے مہوں کو بچانے کی ترکیبوں کے اور کچھ نہیں۔ وہ لوگ ان کے قدم چماتے تو
 علیٰ تصور میں ہوتی ہیں۔ "وہاں کلب" سماجی صورت میں چل کر کے صرف جیسی ہے
 وہ وہی کا بھڑا لو لکھا کرنے کی کو شش کرتے ہیں۔ ہمارے تمام تو اس اتالی چہ
 ہاتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ امریکہ دوسرے ملکوں کے ساتھ ہتھیار چٹا ہے جن
 سے تباہیوں ختم ہوتی ہیں۔ یہ سب سے کوئی ایسی فلم نہیں دیکھی جس میں امریکہ کی گریٹ
 عورت کی زندگی پر دو سنی والی مٹی ہو۔ ہارنگ اور نسل کے سوال کو چلتے سے چھوڑا
 ہو۔ "کینے گئیں۔ کب داری امریکہ کی بھڑائی ہو گئی اگر سوائے کھینے"

مگر آپ کی ان مجلس میں عام انسان کی فکری کمال ہے۔ آپ یہ سوال پڑھتے تھے
 ہیں۔ چھوٹے تھوڑا بہت پکارتے ہیں مگر عام کو آپ ایک سرے سے غراں ادا کر
 جاتے ہیں۔

"ہم گندے ٹوپ پر دوک قلم نہیں لگا سکتے کہ وہ ایک ہوا پر ہے اور چہاد میں
 ہم داخل نہیں رہ سکتے۔ اس پر ہم امریکہ میں بھی پڑھائی نہیں لگا سکتے کہ ہمارے ملک
 میں ہر شخص کو اپنے خیالات کے اظہار کی عمل آزادی ہے۔"

"استراکیت کے بارے میں بھی خیال کے اظہار کی اتنی ہی آزادی ہے؟"

تو بٹنے لگیں۔
 رات کو کتنا شہر لطیف کے ہاں دھو دھنی اختر کے ہاں کھلیا۔ حوا زور میں
 کھانے سے طبیعت پر گرائی ہوئے تھے۔

آٹھ آٹھ کو دیر "سب رنگ" ٹیلی ویژن چینل زونہ کے ہاں ڈانر تھا۔ یہ وہ

تصور میں پہنچی تھیں۔ جیل الدین علی ہوان علیا اور شان الحق نے اپنا کام سنبھالیا۔ علی
 کے وہ طوطے ہیں۔ بھائی کے ٹاؤن اور طبعی صورت اظہار کو بڑے حسن سے اردو
 میں سمجھا گیا ہے۔ علی کے ہاں غضب کا تو تم سے ان کی اپنی طرز بھی طوط ہے۔

علی صاحب کے ہاں گروڈ اور لطافت کا میل ہے۔ یہ چہ شاعری پر آجائیت ہوتی
 رہی۔ میں دیکھ ہی شاعری کو زیادہ تر سن کر اظہار نمود ہوتی ہوں۔ یہ چہ ترین شاعری
 اپنے چہ نہیں دیتی مگر کشتی کے طاعنی شعراء آتے ہم نہیں لگے۔ سب تو نازی کے
 کام میں لپٹا ہوا ہے۔ اسے انہیت کہیں۔ علی نازی بڑے دیر اور ہاتے شاعر
 ہیں۔ ہندوستان میں بڑی پڑھائی سے پہنچتے ہیں میں تو سمجھتی تھی وہ ہندوستان کے شاعر
 ہیں۔ رانگروڈ کی طرف سے صراحت تھا۔ کچھ شعرا نے اپنا کام بھی سنبھالیا۔ اتنی
 محنتوں میں میں ہل ہل کر تھک چکی ہوں۔ ہرنا گروڈ کو دی پرانے سوال کر رہا
 تھا۔ ایک اور فن مندھی شاعر نے اپنا کام اور اس کا ترجمہ سنبھالنے کے شاعر کسی زبان
 کے بھی ہوں ہاتھوں میں بہت دھن و ذرا لپٹ کر شاعری کرتے ہیں۔

رات کو دیکھ سوار کے ہاں ڈانر تھا۔ فیض اور ذہاد نگار سے بھی ملاقات ہوئی۔

ذہاد نے فیض کی فرمیں ختم سے سنبھالیں۔ ان کے وہ اشعار جن میں انہوں نے جذبات
 کو رگوں سے چھپیر دی ہے اور ہر ذہاد کاظم اور منجلی تو آواز ایک چلو سا طاری ہوا
 گیا۔ دیکھ جی ہاتھ اور تیرس لڑکی ہے ٹوڑا ڈانکر ہیں۔ مگر شاعری سے بڑا لگاؤ

ہے۔ کئی تو جوں ہاں انہوں کا تو ایسا لباس یعنی ہم رنگ شلوار قبض پتے تھے خاص طور پر
 ذہاد کے پہلی بڑے چارے تھے۔ یہ عوامی لباس ہر لڑکے کے لوگ جاتے شوق سے
 پہنتے تھے۔ توکر ہار پٹی بھی اس لباس میں جاتے صاف خراب تھے ہیں۔ کمرے رنگ
 پہنتے ہیں۔ سوک پر پہنے واسے پہنے نہیں لگتے۔ بڑی سے گئے ہوئے لوگ بھی جو کبھی
 شلوار پر ناک بھوں چھلکارتے تھے اس لباس کو اپنا لگتے ہیں۔ ب۔ بی اور دوسرے

صوبوں سے گئے ہوئے اسٹیشن ہال ہاتھوں میں دھتے تھے بھی صابر لگاتے ہیں۔

آٹھ لوگ انہیں تیز اور کڑی بینی بھی لگتے ہیں۔ یہ لوگ کراچی میں بڑی قدر انہوں
 میں گئے ہیں۔ زیادہ تر کہیں ہی میں گئے پہنتے ہیں۔ باغی اور ہندو بھی ان کی گھونڈی پر
 ناک بھوں چھلکارتے ہیں۔ مگر اب لباس کو اختیار کر کے اس فرق کو مٹانے کی کوشش کر

جیل کے کور سے ایک بگڑا ہوا گروہ کوئی امریکائی مٹا رہے تھے۔ بحر میں چلے رہے۔ دو دو گیس سائے دار چڑ کاٹھن تھیں۔ بڑی مشکل سے ایک لڑکی ہسپتال کی کالٹی ملی۔ جیل قتل ہونے سے تھے اور قرض پر وہ گھر سے چلے گئے۔ بھوک لگ رہی تھی لڑکا وہیں ابراہم ڈال دیا۔ رشتہ سام مرزا ایجنٹر "دوشیزہ" نے گرے کلا کر کا میر لگا دیا۔ حکومت کے کباب اور شیریں پر ہم لوگ فوت پڑے۔ ان کہوں کے آگے مرلی بھی چٹکی لگی اور گرے نے آواز کر دیا۔ بہت قلعے اور رسوا رہے۔

دہلی میں راستہ میں ایک خندہ میکان کے کام کی دکان نظر آئی۔ دکان کیا تھی ایک ٹھکانہ تھا یہاں تھا قریب خندہ میکان میں وہاں تھیں دکانیں تھیں لوہے کی چادریں پڑے خوبصورت رنگ کے ٹھکانوں کو بناتی ہیں جن کی شرمیں بڑی ہلکی ہے۔ میں بس چڑھ کر ہاتھ لگا کر سام مرزا اسے خریدنے کی دھمکی دیتے نہ کہ کر کے بھی انہوں نے ہنگامہ نہ کیا اور کھینچ کر فرار ہو گئے۔

پاکستان والوں کو خندہ دینے کا ذہن ہے۔ بالکل اجنبی تھے لے چلے کر رہے ہیں۔ اور کچھ نہیں دیکھتے کہ کام کے پتے ہونے کو بے سی کتابیں تو انہی میں کہ میں وہاں کے لوگ سے لا بھی نہ سکی چھوڑا نکلی۔ راستہ نے وعدہ کیا ہے وہ آہستہ آہستہ مجھے بھیجتی رہے گی۔

شام کا چاند مسودہ کی بجلی کی شدت کا بگڑا تھا۔ فزکی والے دوسرا کو مندی گانے گارے تھے یہ چاند دوسرا ٹھکان کا تھوٹا تھا۔ ایک طرف بہت سی خوبصورت خوش لباس لڑکیاں تھیں ڈھولک کے گیت گا رہی تھیں۔ سب ہی کھاروی جاتی لڑکیاں تک تک سے اور ست بی ستوری تھیں۔ خدیجہ مستور بھی دھور سے نکلی ہوئی تھیں مع حمید راجہ کے انہو عظیم قاسمی بھی باہر سوائے میں نے۔ خدیجہ کو میں نے سب سے پہلے دیکھا تھا۔ بھگتی میں تو وہ ڈانک سی لگی تھیں۔ ڈانک تو وہ اب بھی ہیں۔ لیکن ہٹا ہوا انہوں میں کہ کچھ سمجھ رہی ہیں۔ باہر بھاری بھر کم اور دیکھی ہی جاتی ہیں جیسوا کہ کھینچتے ہیں۔ ان دونوں بھگتیوں نے پاکستانی ادیب کو بہت ستارا ہے۔ اور بہت بریل مزید ہیں۔ باہر کے شہر امر علی کچھ

رہتے ہیں کچھ نہ کہ یہ خندہ میں کالیاں ہے۔ ادیب بھی خندہ میں ملتی اور دہلی کے انداز اور ترکیبیں لودہ میں استعمال کر رہے ہیں۔ یہ ایک خوشگوار قسم ہے۔ اور پاکستان کے ادیب پر ایسا اثر چڑھا ہے۔ لودہ زبان پر بخودستان میں بھلا اور چھوٹی کا وہ کافی اثر رہا ہے۔ ٹکر کرائی خندہ میں مراجمی اور ہائی کی ملک میں ہل جانے والی زبان سے کوئی قائل ذکر احتیاط نہیں کیا تھا۔ خندہ آبادی لوہوں نے خندہ آبادی زبان کا لودہ میں جگہ دے کر قائل ذکر کام کیا ہے۔ لودہ کو اور بھلا چاہتے۔ دیکھ پاکستانی ادیب بخودستانی لودہ میں لڑتی ہیں اور آ جا رہا ہے۔ بخودستان کی لودہ چلے بندی کے چھٹے لودہ افرا رہی ہے۔ پاکستان میں زیادہ سے زیادہ صوبہ لودہ مفری ہوئی جا رہی ہے۔ بندہ کے بارے میں مجھے دہلی سے نہیں معلوم مگر صوبہ دہلی دہلی کی کالیاں ہے کہ سننے لگتے والے بندہ کی اور سے قریب آ رہے ہیں۔ میں نے بھی ہاتھ پاکستان کی محفلوں میں دھرا دی۔

دیکھتے تو سام مرزا لودہ کے ملک کے ساتھ رہ کھینچی خندہ اور دہلی لڑتی۔ چوکنی میں ہالے قریب قریب باطمینان دانے کی قبریں ہیں۔ ان پر اس قدر خوبصورت اور ڈانک کام کیا ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے جہاز نے چھڑ پھینکا کہ سائیکل میں داخل ہے۔ مل دسم لودہ میں کچھ کھاتے تھے کچھ نہیں آتا اور نہ کچھ تحقیقات کی گئی ہے۔ کوئی اساطیر نہ ہے اور انہو بول اور خوبصورت کے درست آگ رہے ہیں نہ کوئی کالیاں نہ چکھو اور پھوٹی بڑی بہت سی قبریں ہیں۔ مودوں کی قبریں کھوار اور احوال میں ہے مودوں کی خندہ میں زچ مودوں کی خدائی سے کی گئی ہے۔ وہ زچہ ایسے ہیں جو بخودستان اور پاکستان میں آج بھی پتے جانتے ہیں۔ شفا بھینے چاند لودہ لکھن اور چوڑاں۔

کراچی سے ایک دھولہ گل جہاز تھیں کوئی آبادی نظر نہیں آتی شراب ایک دم سے ختم ہو کر وہ لودہ شروع ہو جاتا ہے۔ راستہ میں وہ چار ٹھکانوں میں ہو کھٹکی ٹھٹکی کی وجہ سے بند پڑی ہیں۔ کبھی کوئی ایک ٹھکانہ میں کوئی کھڑکرائی گڑ جاتی ہے لودہ میں کھانا ساتھ چہ مٹا تھا مگر کھانے کی جگہ کسی نہ ملی۔ مٹوں پھٹے تھے۔ ایک

لڑا وہی دشمن کے باپ لگ رہے تھے اور جیسے خاموش تھے۔ بہت لوگ مارے گئے اور کچھ بچنے والے بھی۔

کلب میں شادی کا وسیع جشن تھا۔ پاکستان میں شادیوں پر خرچ ہوا باندی عام ہو گئی ہے وہ تو لوگ بڑا دوسرا وسیع دو ہفتوں لگانے میں خرچ کرتے تھے۔ شادی بہت سادگی سے ہوتی۔ چڑھاتے اور جیز کی کوئی لٹائن نہیں ہوتی۔ چپ چاپ صندوق میں بھر کے دو ہفتہ دس کے سہو کر دیا گیا۔

بیماروں بڑا ک دھار ہاں پہنے تھیں اور دھار دار میک اپ کے تھیں۔ عائد لطیف کی بیٹی نقی تو بہت بھاری جوڑے میں دس کو مات کر دی تھیں۔ ہر طرف بھاری کار چلتی اور بھاری فراموش گھوم رہے تھے۔

دس باندیوں کو کراچی میں ٹیکل کار پر بٹھائے کیے گئے۔ کر۔ نو نے انہیں لے کر کراچی کے لوہے اور شعراء شریک تھے گیارہ کو زور دینے کے لئے پانچ اپنی کمانی چھ کر چلی کمانی میں اپنے پرانے وطن بھارت کی بھٹی بھٹی یادوں کا تجزیہ کیا ہے وہ کیا گمن پھولوں کی کیا دیاں گھنٹی پر رکھی تھیں اپنی کی کوری طیلیں پر سو کرے اور بریلی کے بار۔ انہیں کہیں چلا جاتے۔ بچپن کی سالی داریں دیکھنا نہیں چھوڑیں۔

دوسرے صبح انہیں اور سلطان عمر نے بھی کتابیں پڑھیں۔ اسلام آباد سے اختر علی کا فون آیا کہ کب آ رہی ہوں میں نے کہہ دیا اور پہنچ کر کتابیں کی۔ اور سے طیل امر کا فون آیا کہ ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیج رہے ہیں۔ گئے اور تھیں چلے گئے۔ چنانچہ بارہ اکتوبر کو لاہور پر دھوا ہوا دھوا میرے ساتھ رہت بھی گئیں۔ اور ڈاکٹر حلیہ۔ منشی میری خال ڈاؤن میں بھی اپنے بیٹے دھار کا ساتھ لے کر گئیں کہ کراچی میں تو لوگ گئے گھر نہیں چھوڑتے اطمینان سے بات کرنے کی بھی سلسلہ نہیں۔ حلیہ سے پندرہ سال بعد ملتا ہوا تھا۔ وہ میری بیٹی بیٹی ہوا کرتی تھی۔

میرے بچے کا ذکر کرنا تو بھولی ہی گئی۔ میری دلت مسام مرزا اور دشتانہ شری دو ہفتوں دھانے لے گئے۔ چاند دلت کی کھانسی اور آخری وقت کی خرچہ و فروخت میں لوگ دھوئی ہو رہے تھے۔ سارا شہر بھولے بھولے دو شہریوں کے

قصوں سے بھلا دیا تھا۔ ایک ایک عمارت دس بی گز کی تھی۔ کچھ عمارتوں کا میں بڑا کوڑھ لے گا کہ چار گز کی تھیں جس پر نہیں ہوتے اور کچھ بچے ہوئے تھے توگہ وہاں پر نہ لگاتے تھے۔ سارے کراچی کی سوزیں گل چڑی تھیں۔ مگر کراچی کے لوگ گل لٹاؤں میں کرتے چپ چاپ خرچ و فروخت ہو رہی تھی۔ کتابوں کی دکانیں بھی کھلی تھیں گو وہاں بچے نہیں تھے۔ میں نے دیکھا کہ میری تمام کتابیں لوگوں نے حرا سے چھاپ لی ہیں اور ہار پانچ نے مجھ سے اور پھر گئے ہیں ان میں سے کتابوں کی کتنی تھیں میری دانت میں کھنچ گئی تھیں۔ نہ جانے یہ کتابیں کس دانتے وہاں کتنی ہیں اس زمانہ کی کتابیں بھی مل گئیں جو جیسے کھنچ دانت میں چکی تھیں جب فروخت دھان لے گئے تھے۔ مسطور ہوا رسالے اور کتابیں دانت چاتی ہیں وہاں سے پاکستان چلی جاتی ہیں۔ وہ دھان بچے تک کھاتے رہے پھر میں نے کہا گئے اپنی بیٹی میں دلت خاتم کے ہاں جاتا ہے میں نہیں بچے وہاں چلی سب ۳ رہے تھے مگر چانک اور دودھ کا کھانا چھوڑ دیا تھا میں جی آسانی سے جا کر بچہ لیت گئی۔

مجھ میرے بچے سے وہ لوگ ملے آتے جاتے رہے دھت اس کی بیٹی رانی اور دھان رانی کے بچے اور دھن بھائی آگئے۔

تھا کچھ بڑی ہو گئی ہیں۔ دھان سب سے بڑی ہیں سو کر کا کا ہوا گئی (انہاں) کسی میں چھو ہو گئیں تھیں بچے دو دو کر پالے۔ سب بچے ہوئے اور شادیوں ہو گئیں تو کلب نصیم ہو گیا ایک چٹا ڈاکٹر کیسے چلی گزہ کاٹی میں اور دھرا چٹا کرل صاحبہ پاکستانی فوج میں بیٹی ہیں پاکستان میں کیا بھاگ بھاگ کر کبھی پاکستان جاتیں وہاں سے کسی کی دلدستانی تو چلی گزہ تھیں۔ گزہ اٹھا جس سال سے وہ پاکستان اور بھارت کے درمیان ڈاکٹر لگا رہی ہیں بڑی مصیبتوں سے دوچار ہے۔ اور دھان کی خاک بھرتی ہے۔ کبھی کبھی کلب میں بھی دھان تھیں بچوں کے ساتھ میں وہ پائیں۔ ظاہر ہے اس قسم سے ان کا گزہ کی اور نہ جانے کتنی ہاں پر گزہ دی ہوگی۔ وہ دھان دھانوں ملکوں کے بارے میں کہتی ہیں اگر کھ دی جائیں تو کیا (انہوں نے ایک کی انور گزہ کر دی جائیں)۔

اور ہمارا انگریز جیپ کو بارٹ ایک ہوا غارت شدہ قسم کا لپٹاگوں کی طرح
 بنی بدوشت کے بعد علی گڑھ پہنچ کر دوسرے صوبہ کو بھی دل کا دورہ چڑھ گیا اور جیپ نے
 کچھ شور مچا کر اس کے پاس سے بس ہو گئے تھے وہ توں میں نے نہ جانے کتنے دنوں
 کا قہقہہ مچایا۔ اس دن سے پاس میں بھی جو بازار کے وقت بجا اب بھی کی
 چہ رہی ہے۔

انگریز جیپ کا ایک سال کی مسلسل بیماری کے بعد انتقال ہو گیا۔ کہا ہے کہ اس کا
 ہزار ٹونٹ ڈال۔ جیپ وہ بھی جاتی ہے تو سر میں جھکا تھا۔ جو اس کے ٹھکانے کی طرح
 علی گڑھ کی طرح تن جاتی ہے اور ان کی زبان سے فخر جگے جگے ہے وہ ذرا اس
 سلطان کے لکڑیوں تو بڑا ایک اچھے اور نہ جانے کیا کہ جاکر حاضر ہو جائے۔

لیا جاتی ہے کہ یہی ہیں ہر سال میں قسطی دہاتی ہیں اور ان میں خود ہی جسم
 ہوئی راتی ہیں "تیسرے صوبہ" ان کی زبان پر رہتا ہے جسے کی آواز میں ملتی ہیں
 مردم میں لگا۔ کرتے ہیں کہ کچھ نہیں کیا اپنی ایک قسم اسامات جاگ رہے
 ہیں ذاتی طور پر فطرت جاتی دھند ہیں اپنا کام خود کرتی ہیں۔ کسی کو ہاتھ نہیں
 لگاتے دیتی۔ صوبہ نے فائن لے لی ہے۔ ان کے وقت کے پاس بنگ پر اپنے رچے
 ہیں کہ کہاں گئے رہتے ہیں۔ کہاں کسی ہوئی ہو کر اچھے دیکھتی راتی ہیں جیسے
 چڑا اپنے بچے کو آٹا ہے کہ بڑے کے لئے اور اپنا بھارا رہتا ہے جیسے وہ بیٹے کی طرف
 قدم بوجھانے والے تک المیہ کا کہیں ہی تو بڑا نہیں کی اور جب صوبہ کا بیٹا بیٹا
 علی گڑھ میں پھیلے ہے ہوا آگاہ ہے وہ ہمارا دھند دھندہ کچھ لگتی ہیں۔

میں جا کر بھی وہاں پہنچا نہ جانے کیسے اجازت کے لئے کہ منہ منو اپنی خواہش کا
 ہاتھ بکھڑے ہو ائی جواز تک نہیں پہنچیں۔ ہم وہاں ہیں ایک دو سے سے بہت کم
 خوشی سے مدد دیتے منہ سے بد ہوا آیا۔ ہمارے صوبہ خود شہد اکبر منور رحمت اور بہت
 ہی لڑکیاں سمجھ گچھیں۔ میں صوبہ سے لگے لی رہی تھی اور یہ کھلا کر اس کی بہن منور
 سے پوچھ رہی تھی صوبہ کہاں ہے۔ میں نے صوبہ کو چھوڑ کر اس کے پاس سے دیکھا۔ آئینہ اور
 منور خود مر رہی تھیں۔ میں خود مر کے ساتھ اس کی کوٹھی پر بیٹھ گئی۔ آئینہ

صوبہ
 (نوٹ)

خیر سلطانہ شعلی کی بھینس میں اور برابر بدوشتن آتی راتی ہیں اس لئے میں کو
 بکھانے میں تاہم نہ گی لیکن بہت ہی صورتیں وہیں سے اڑ گئی تھیں۔
 یہ سب دن میرا الحسن کے ساتھ شہر اور اسٹوڈیو تھی۔ اسٹوڈیو کے مالک
 بدوشتن کے مشہور ڈائریکٹر شریک تھیں نے اسٹوڈیو دیکھا۔ چا چا ہوا ہا ہے
 کا وہاں ایک عظیم میں ہوئی ایک بہائی مثل عمارتوں کا رنگ یہ اس کے کی کو شعل
 کی ہے۔

شرکت میں نے یہاں سے ہمارے خانہ "دوست" فیکٹ اور چکر میں
 کامیاب تھیں۔ ان کی کیا بات ہوئی۔ وہ کچھ آگاہی سے نظر آ رہے تھے۔ انکا شمار
 اسٹوڈیو ہوتے ہوئے بھی ان میں وہ فیکٹ حاصل نہیں ہوئی یہ بدوشتن میں ہوئی
 تو ذرا دیر پہلے رہے ہر کچھ لگے پاکستان کی فلم انڈسٹری اس لئے اپنی ترقی نہ
 کر سکی کہ کچھ عمارتیں بنائیں بہت کم ہیں سارے ملک میں آٹھ ساڑھے آٹھ سو
 سینٹرل ہیں۔ یہاں ہر کوئی دیکھتا ہے کہ یہاں کی فلم انڈسٹری کو فائدہ کیوں
 نہیں ہوتا۔

کہ انہوں نے ہر طرح کی سہولتیں حاصل نہ پا کر اس سے فائدہ اٹھا جانا اور جیے
 دل سے نہیں کھینچے گئے۔ بدوشتی عمارتوں کے چہرے انہوں نے لگے۔ حاضر بھی
 بن گئے۔ ہمارے اسٹوڈیو میں غلامی میں نے آگاہی کی پیش کی بہت فیکٹ
 تھی۔ اس لئے فیکٹوں کا شمار کر گیا۔

ہمارے دونوں ملکوں کی فلموں کا لین دین چلا رہا تو پاکستان کو اپنی جی مارکیٹ
 ملی بدوشتی فلموں پر بھی پاکستان کے بہت سے ہوا جانے سے جی دھکیں چیں۔ آپ
 نے خود ہی قائلے والے۔

ہمارے قائلے نہ والے ہوتے تو ہماری انڈسٹری آج کو اتنی بھی نہ پہنچتی۔ سب
 فلم جانا بدوشتی انڈسٹری یہ زمین جانے اور اس طرح صرف چند لوگوں کی کھبت ہو
 پائی۔ سینکڑوں آدمی جھوڑا کر ہو جاتے کہ انڈسٹری روشن میں اس لئے کی ضرورت

نہیں ہوئی۔"

مجھے شکست صاحب کی بات بہت مستحق تھی میں نے پوچھا۔

"نہیں وہ ان کے سے غصوں پر اثر چاہا۔"

"شہر آشور میں بہت بڑا لوگ تھی۔ وہی سے چپکے پھیلے رہتے تھے لیکن بہت جلد قلعہ سے باہر نکلے وہیں تک نہیں آتی سنا اب ہماری عیس مسیح قریح پہنچا ہیں پہلے تو بہت امیر تھی وہی، عیس کہنے لگیں تو ہمارے یہاں کے لوگ وہاں سے ہٹ گئے مگر وہاں سے پانی سڑی ہوئی عیس زیادہ آتی ہیں اب لوگ فوت کر رہے ہیں حتیٰ ہم نہیں دیکھتے۔"

شکست صاحب سے مل کر بہت خوشی ہوئی بڑے عجیب انسان ہیں اور جی پنا تھی باتیں کرتے ہیں۔ بعد مکان کے دو سون کو یاد کرتے ہیں۔

⑤ وقت کو کھٹکھٹک سے اڑا رہا۔ وہاں عبادت گاہ کی طرف چلے گئے۔ مسیح اور الیم صاحب اور طالب امتیاز علی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے طالب امتیاز علی کو سن دیا کہ میں دیکھا تھا اس وقت وہی عبادت گاہ سے مختلف سے چلے گئے تھے وہی عیس۔ کسی سے بہت عیس کر رہی تھیں۔ لیکن اب تو ان کے گھر سے نہیں ہی نہ لگ رہی تھی بڑے پچھلے بازار کی رہی تھیں۔ کبھی تو خود اپنی گھریلو کا ذاتی اڑانے سے بھی نہیں پوچھیں ایک محل میں ذرا بہت گرم ہوئی تو جلدی سے بچ گئے تھے۔

"اگر وہ دیکھتے تو انہیں کتنا مسخیں ہے۔ چاہے میں اب لوہ لٹھنی دلا ہے۔ اب لوگ کیا خوبصورت وقت ضائع کر رہے ہیں۔" سب بحث بھول کر آسمان کو دیکھنے لگے۔ آسمان بیکار ہو رہے تھے۔

⑥ مولانا الیم صاحب نے مجھے بلا بل کر دیا۔ مولانا صابر چغتائی نے 72ء میں مرزا چغتائی اقبال کی ایک کتاب لکھی تھی کہ خوشی کی گھر بہت دینی کتاب ہے سچے کا کہنی ریاست نہ 75ء میں اقبال ہو گیا اور میرا قصہ وہی رہا کہ مولانا الیم صاحب نے وہ مجھے دیا اس کے ساتھ مرزا چغتائی صاحب اور چغتائی کی مصحف کی بھی

ایک کتابی دینی وہ اور بھل و چٹک بھی دیں۔ شکر ادا کرنے کے لئے مجھے اقبال نے مل گئے میں یہاں سے اڑا کر کر کے گئی تھی کہ اس کی ایک کتابی ضرور کسی نہ کسی طرح حاصل کروں گی شاید عظیم صاحب کام آئیں گے عمر انہوں نے میرا شک بھی سمجھا اور یہاں کے لئے گئے تھے بھی دیئے۔ چودھری صاحب نے میری اتنی کتابیں چھوڑیں اور چھاپ رہے ہیں مجھ سے ملے بھی نہ آئے۔ نئی فون کیا بھی کیا کام سہولت تھی۔ مجھے ان سے ملاقات نہیں بلکہ شکر گزار ہوں کہ اپنے مقام کے ساتھ ساتھ مجھے بھی پاکستانی عوام تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

چودھری افتخار کو شاپ کی افادہ نے نئی اسٹور میں اپنی غلوں کے کچھ ادا دانی میں کچھ باقی گائے دکھائے ان میں سے ایک ٹکڑا مجھے بہت پسند آیا اور وہ کسی دن چوری تم دکھانے کو چھوڑا ہو گئے۔ تیسرے دن انہوں نے اپنے اسٹور میں ایک بہت بڑی دولت کا انعام کیا تم دکھائی تم کا ہم تھا انسان اور فرشتہ۔ اس میں چودھری باقی کاٹوں کے ان کا بہت دودھ دیا۔ کہیں کہ مجھ پر تم بھی چپک صرف اصرار دھڑکا پسند کرتی ہے۔ شاپ کی افادہ جی تجزی سے دھڑکا دھڑکا عیس جانے ہیں اور وہ خوب پہنچتی ہیں لیکن انہیں بے قصوری عیس جانے کا شوق ہے۔ وہ اپنی وہ سب غلوں سے نقصان پورا کر لیتے ہیں۔

دست میں تم ملی "ابا اور میرا سلطان بھی تھے۔ تم ملی دراز تھو دوسرے بھائی گئے ہیں۔ عوامی لباس پہنی گھبرا دکھ کی شکار اور قبض پٹنے تھے انہیں پاکستان کا دلچسپ تھو رہا جاتا ہے میں نے ان کی وہ عیس پاکستان میں دیکھیں۔ ایک ٹوٹی ایک چوری۔ "میرے ہاتھ کا پھول۔" بعد حتیٰ تم اصرار کا چپ ہے۔ مگر کچھ دانی دیا گیا ہے۔ تم ملی اور دینا نے بہت اچھی گوارا لگاری کی تھی۔

طالب امتیاز علی نے بھی صبح کی جانے ہی دیا۔ چوہر دکھا تا میں سنا ہوا تھا۔ ان کے گھر میں نے ہر گئی کی ٹیبل اور شیشی اٹھائیں بہت اصرار میں کسی عیس نہیں۔ وہ بہت دہل گئی ہیں۔ انہوں نے اپنا ایک مضمون دیا ہوا ان کے اپنے رنگ سے بالکل جدا تھا اس میں عروہ مزاج کی لطیف چاشنی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ

ان کے گھر میں پاناؤ تھی۔

خالد عقیف بھی لاہور ساتھ آئے تھے وہ بہرہ ور افغان سے وابستہ ہیں۔ اور کوئی کام نکال لیا تھا۔ انہوں نے ایک مصروف دکان میں ایک شعراء نے کلام خانا مگر کسی نے سرور ہاؤس بنگوی اور عقیف شعلی کو تکلیف نہیں دی جنہیں میں سنا چا رہی تھی۔

پھر وہ کو حقیقہ ان صحن نے انہوں میں سب چار میں جلی گئے ہیں جنہیں سب چار میں تھپہ گئے ہیں حقیقہ کا کچا ہوا بیل وہیں ستوش کمار ان کی جگہ مسجد خانم "دیس عرواح" سے پہلے تھوڑے عرصہ میں شریک تھے۔ فرید خانم بھی تھیں اور سب سے بڑے گروہ تھیں۔ کچھ ختم و خالی تھے لیکن سب نے بہت حد تک کچا کیا غرض عرواح ستوش کمار نے تم گھٹے میں پیدا ہوئے تھے وہ بھی کسی نامور شخصیت کے دلپ کمار ہائے جاتے تھے۔ دلپ کمار کی ہر مصروفی کی وہ بھی مثال مشکل سے ملے گی۔ آج تک لوگوں کے دلوں پر گھرائی کر رہے ہیں۔

لوگوں انہیں بھلا جانے کا فریضہ دیتے ہیں۔

عالم رانکڑا کڑ کے جلسہ میں فیض نے صدارت کی خدمت اور ممتاز ملحق نے (مستحقان چارے میں جس میں میرے اور فیضات کا اعداد کیا تھا ممتاز ملحق کا حضور حمزہ شمس نے بڑے قیامت سے دست اور دھکیلا ہے کہ میرے بارے میں قیاس لگنے پر اور ی نہ بھی دی وہ نہ بہت دور رہی مگر بھی چارہ چلے۔ یہ سائنس دانوں کی ہے۔

میں کو علم رانکڑا کی طرف سے ہوش خفا (LORDS) میں شہسخت قیاس میں دونوں ملکوں کی گھبراہٹ بہت ہوئی دی۔ ان کی خطرات بھی وہی ہیں جو ہماری "پبلک کی ہندوئی فاضل کی جلی اگلے علم جانے والوں کے لئے مواقع کی کی جیلہ "جلی" یا "سکین شاپ" پاناؤ قریب اور افغانی امور سے ملاقات ہوئی۔ سب نے گھر میں چھوڑ دی "جلی" "سکین شاپ" اور "سکین شاپ" کو چھوڑا۔ قریب میں کو قیاسے لوگوں نے بے چارہ کے لیے عمل میں دھندلے ان کے بارے میں ایک پھر پھر پاناؤ تھا کہ نہیں کیا بلکہ جلی ایک جلی میں مضامین ہوا۔ بہت سے سنے شاعر لوگوں کو لوگوں

نے اپنا کام خانا فیض اور فیض "فیض شعلی" سرور ہاؤس بنگوی نے رنگ بنایا۔ وہیں سے رات کو خیرہ مسعود کے پاس کے اور پھر مضامین کی وہی شکل ہم کی اور کھانے کے بعد تک چلتی رہی میں سمجھتی تھی افغانی امور صرف کتابوں اور نوری دی کے ادارے تھے ہیں مگر انہوں نے اپنی ایک باخوبی علم خانی تو وہ شاعر بھی ہیں! وہ سب سے دن بلکہ سیر کی جگہ پر اور نور علی کا مقصد دیکھا۔ شعلی مسجد قند اور شعلی گھنٹن کے کونوں کے گوشہ بلکہ پھر انہیں "اندر لای کا بازار بھی دیکھ لیا۔

کیا ہے غصا ہے لاہور روح پرور موسم ہوائی ہی ہوائی کراچی میں لوگ بڑوں کی لولہ کی طرح سیرا کرتے ہیں تب کہیں ہا کر دوپ رنگ آتا ہے۔ وہاں کی آکھاؤ نہیں آپ ہی آپ ہزار اگلی ہے اور اور سڑک بچ میں جلی ہوئی ہی جلی سڑک ملوں چلتی جلی جاتی ہے۔

بار بار غصہ ہائی ہوں رومر ناؤ شیطان کی انت کی طرح بدستاری چاہتا ہے وہی لاہور سے ہی بی نہیں پھر "اسلام آباد بھی چاہا ہے۔ سفیر خضر میں ہے اس کے پاس آکر کہیں نہیں وہی نہیں کھانے پر پاناؤ۔ نصیر میری بھری دوست جلی جلی کڑی کی پاناؤ آتی ہے شہر کا کاکر جیتا میرا ہے وہاں جانے کے لئے آگ آگ دھماکا نہیں لیتا چاہے۔ آپ کی جلی پناؤ پناؤ میں ہے۔ عظیم جلی کا لڑکا واگک میں ہے۔ دونوں کو خلا تک دیتے ہیں کہ اسلام آباد کو ہی ہوں آکر صورت دیکھا چلا پھر نہ جاسنہ کس جگہ میں ملتا ہو۔

سو چاہا تب ہوائی ہزار کا سڑی ہاوارا ریل سے بھی پاکستان دیکھ لیں اس لئے اسلام آباد ہوئی سے ہے۔ مگر جلی بھی ساتھ آگئے۔ مدت عرصہ میں کا پناؤ اور تو ساتھ تھے ہی انہیں ہر ایک اور صاحب مل گئے۔ لیکن کے عقیف انہیں کراچی فون بھی کیا تھا اور مجھے ملانے کی کوشش بھی بہت کی مگر اجازت نہ ملے پانے تو لاہور آگئے اور ساتھ اسلام آباد چلے۔ ان صاحب نے رات بھر سوالات کی پاناؤ جاری رکھی۔ کہہ کہہ کر نہ جانے کیا کیا پناؤ چھ والا پڑے پناؤ پناؤ کے میں لاتی گی۔ خیال ہی نہ آئے پناؤ کہ جواب کیوں دے دی ہوں مجھے باطل یاد نہیں کہ

انہوں نے کیا ہے چنانچہ انہوں نے کیا تھا۔ مذہب کے شریعت پر ہے اس لئے مطلق
 نہیں ہے۔ سو کھانا نہ کھائی۔ بعض وقت تو میں خود اپنے کونے سے مالز آجاتی
 ہوں۔

اسلام آباد کے انشیز پر احسن خان، اختر علی، میری بھانجی نیران کی بیٹی
 ہا صبحین غلام زار میں صنف اور اس کے مہاں اور بچے موجود تھے۔ نیران کے قتل کی
 اس نے بھی اسے دیکھ کر ہی محل افسانہ سولہ برس بعد دیکھا۔ صنف اپنے گھر پہلی گلی
 پر تھیں کسی دوست کے ہاں جا ٹھہرے تھے ہم سب وہ گھر میں ہم کے لطیف
 انہوں کو ان کے کمرے میں ڈالت گئے احسن خان ایک دم میں اختر اور اس کی بیٹی
 ٹھہرے تھے وہ دم میں

پھر اعلیٰ دن عورتوں بڑھوں اور بڑوں میں بیت گئے۔ اب میری مدافعت
 کیفیت کچھ ایسی ہو چلی تھی کہ کچھ داری میں رہتا تھا کوئی سی بینک میں کیا ہوا۔
 کوٹ لینے کی بھی فرصت نہ تھی۔ اپنے برسوں کے پڑنے کو لے کر کشتہ داروں سے
 (لوگوں کا بڑوں میں چاہیے مگر اسلام آباد کا ایک ایک لوگوں کو اور مگر ایک بچہ و بچہ
 ایک بڑی عظیم مدافعت کے جسے اس کے کو 25 برس ہوئے وہ بپ دیکھا تھا وہ بھی
 میں اٹھ گئی تھیں اب کہیں ہر سفید ہل پھرت رہے تھے۔ اس کی یہی شکل
 (شرابوں جیسی تھیں) ہے اور وہیں بہت سے ٹھک اور پیاری ہیں۔

اسلام آباد نہایت صاف شہر اور خوبصورت شہر ہے۔ نیچے دیکھنے کی ہے
 کاڑی اسلام آباد میں داخل ہوئی ملک اعلیٰ۔ سڑکوں پر جسے سڑک کے قریب محل
 کے ہیں۔ صبح اس خوشبو کا دھواں اظہار ہوا کہ سڑک پر مندی کی ہاڑیں لگی ہوئی ہیں
 (وہ پہلوں سے لہی ہوئی ہیں شہر خاص اور ہر کونے ہے۔ یہاں خوشبو اور دھواں
 ہر کونے ٹھک جیسی ہار کی شکل میں سے جہان کے آ رہی ہے۔

جوش صاحب سے ملنے گئی انہیں تھوڑے وقت اور چلتی دیکھنے دیکھ کر دل خوش
 ہو گیا۔ پشاور ان کا جیسی محل کے ہیں مگر چلتے کی جگہ تو ان کا اور ٹھکانا ہے۔ انہیں
 نہیں دے گا ہاں طرف شہر کے کی طرح نظر نہ آتی تھیں ایک حسین چہل تھیں

دلکش لکھ گئی۔

یہ سب کی بیٹی ہے انہوں نے شہر سے یوٹو اور عکس مہمان
 "میری لڑکی ہے جوش صاحب" میں نے پچھلا ہوا۔
 "نوب"

میں نے ان کی چائے اعلیٰ ایک شہر سی فلم کا سطر کھول کر چہرے کی
 درخواست کی بہن بھانجی کی جگہ تھیں ٹھیک لکھے۔ ایسا معلوم ہوا تھا اپنی
 دلکش توڑنے کے زبردست رہنے والوں کو بچوں دے رہے ہیں۔

وہ سرے دن اختر علی نے لوگوں کو جانے پر دھمکا ہوا تھا کہ ان کے گھر میں
 آج اسے آگے ہل میں تو دھرنے کو جگہ نہ دی۔ سلطان بھٹری کی دھمکی جیسی
 ہم کیا کہتے ہیں اپنی بھتیجی جی کاہل کے ساتھ آئی تھیں۔ ان کا مجمع دیکھ کر ہکا
 کھکا

بات نہایت اہم سے شہر ہوا کہ ایک دم سیاست کی طرف مڑ گئی۔ میں نے
 جوش صاحب سے ایک بار اور ملنے کی درخواست کی تھی انہوں نے اپنی ایک
 دعوت رد کر دی اور کچھ وقت دیا۔ لوگوں کے سوالات کے نہ صرف اس اہم
 کے جواب تھے اور تھیں کہ میں کا سوا تھا مگر صنف میرے اختر علی پر مگر اہمیت کا
 دور چلے گئے۔ میں نہ ہوا دھمکے کے بدلے سے اندر جا کر بیت گئی۔ بلکہ اختر اور
 احسن نے پچھلا کر لکھے اعلیٰ اور اندر لے گئے میں نے صرف ان کا کہ اپنے
 سواں کے جواب کہتے ہوں تو وہوں ملک کے دانشوروں کو کسی جگہ جمع ہونے
 دیتے اور ہی ہر کے سوال و جواب کہتے۔ میرا رشتہ تو اب سے ہے مگر بہت سے
 سیاسی سوالات کے جواب بھی میں انہوں سے دے دیتی ہوں۔

اب میں جوش صاحب کے ہاں پہنچی تو وہ سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان
 کا ٹھکانہ دار گرا پشاور ایک پڑا تھا۔ وہ تھوڑے اور بڑے سا کرنا چاہتے تھے اور کچھ
 دیکھ کر لکھ گئی۔

"کچھ آپ اب علی ہیں جب دارالانکھل ہو گیا۔"

مگر ہر ایک میں اس کا سما جلی گیا۔ ہر سے بولی نکلائی اور ہر کے ہنسنے لگے۔ تب نیپ دیکھا دھانے ہے۔ اور جوئی صاحب کی طبیعت رنگ پر آئی ہوئی تھی۔ وہ ایک دن بعد صبح اور اپنے عزیز دوستوں کو یاد کرنے لگے اور سب کے کئی بھاری ہوئے۔

رات کو شہر بڑیاں دیکھتے تھے بڑی خاص چٹائی ایک طرف پڑی کی وہ منہاں جھلا رہی تھیں اور سری طرف اسلام آباد کی ایناگ دیا تھا کسی نے بہت سے زور اٹھا کر اٹل دیتے ہوں۔ ہم لوگ ہر ایک سانس دے کے اس میں سحر کر دیکھتے رہے۔

تب ایک دم اچھے میری آواز آئی کہ کونز نہیں یعنی صدارتی کا چندن بار بار آیا۔ پہلی نے چپے دیکھے سے پکارا۔

کراچی والیں لوٹ کر ہر خانہ لطیف کے ہیں جا کر وہ دن دی۔ جی تو چاہتا تھا سب کی دعوت قبول کریں اور سب کے ہیں وہ دن دیوں مگر میرے پاس دن کہاں پہنچے تھے ہر ایک سب رشتہ داروں کے ہیں ہادی ہادی دعوت کمالی لگے سینے اور دھڑکی کی تپاری کی۔

ایک اور ملاقات کا چپڑے پڑے ذکر کرنا۔ مدت کے شہر سید خان سے مرزاخان مرزا خان کے افسان ہیں کی بار میرزا خان کو آئے ہیں۔ خلیہ ملازمی دیکھتے ہیں میرزا خان کے نیشا خان میرزا خان کے آئے ہیں۔ ابھی ایک حد صا اور کر آئے ہیں ان کے جو صاحب کو دیکھتے کشتی اٹھا۔ آخر ایک شخص میں کیا بات ہوئی ہے ہر لوگ پچھتے ہو جاتے ہیں۔ رات کو کچھ ہر ہم ان کی خدمت میں پہنچے۔

فکری طور پر سنا ہے تو میں کے چہرے پر ہی دیا تھا نرم ظہور کی آنکھیں۔ دھیمی صاف آواز دینے پہلے مگر کلیات صحت مند بات تھی قدرتی کی مگر مطلب میرا لوگ ان کے پاس اپنے دنگ دور اور انہیں لے کر آئے ہیں کوہ وہ انہیں لے دیتے ہیں۔ کوئی بات ہے کہ انہیں دیکھ کر جسے سکون کا احساس ہوتا ہے۔

رشتہ داروں عزیزوں دوستوں کی قصوں میں ڈیڑھوں گئے کے سامان کا وزن دیکھ کر ہر ایک ایڑی رٹ پر پہچانے کے لئے بہت لوگ آئے۔ کچھ بکھر دیا تھا اور کچھ دنگ دیا تھا ایسا لگتا ہے ایک دنیا پھر ذکر وہ سری دنیا کو جاری ہوں اور وہ کھنے کا سفر ہے پہلی چلت پڑھی اور کوئی بس آنکھ کھل گئی کچھ بھی نہیں فرما رہا تھا کہ جسے ایک لہا سا خواب دیکھ کر جاگتی ہوں وہ جیسے وہ مشاعرے وہ دھندلے کے سامنے والی دھندلے ان کی تعمیر کب لے کی؟ وہ بھی بھائی ہو کر کشتی میں دفن ہیں ان سے غلط کیسے تو وہ اس پہلی میں میرے ہیں چاہوں گی خاک ملی ہوئی ہے۔ میرے دھندلے کا ایک حصہ دیاں گڑا ہوا ہے وہیں صرف ایک پھر سب سے یاد رہا تھا زما ہے ہر سب سے جی رہا تھا۔ جنوں نے مجھے بددلی کا قدم پڑھایا تھا اور رات دیکھتے کھاتے تھے۔ وہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔

وہیں سے وہیں تک کتنی لمبی سڑک ہے!
تکڑا قسط ہے!



"جی تو دہا ہے۔ اگر تو ابری ہوئی تو میرا پاس میں توڑی نہ کھینچا جا۔
صاف پکڑ لیا جا۔"

"گورنر! آپ کی سیکل میڈک کی بھی امیڈیو جنسی۔ ہاں ہاں، معلوم ہے تم
نے امیڈیو جاسٹ میں سے تعلیم لی ہے۔" فریڈ نے فریڈ کی مسکراہٹ پر چکر کر کے
اتاروں کو جیسے رشید جیسا کرتے کا پیچھے ٹھیک جیسا کہ "فریڈ مرزا جیسا بیلا"
اور۔۔۔"

"مچھلی تپا کے دولہا جیسا نہیں کہ۔" فریڈ نے لہجہ دیا۔
مورن ٹھیک کے مہاں جیسا ہورو کا نظام، اور شک جیسا قوم پرست، اور
جھلکے شک جیسا جان ہار اور پگھور جیسا۔۔۔"

"میں نے انٹ بلو آئی، ڈاؤنٹی، رشید کو چومنے کے لئے اچیل پانی اور فریڈ
کے ہاتھوں پر بلو رشید موت آیا۔" دیکھتے میں تو گاؤں دی ہو۔ گردن کے کسی کو نے
میں ہے تو کچھ سنا۔"

"مور۔۔۔ اور کھا پلو ان جیسا۔۔۔"
"میں میں غل اسٹاپ کے بعد مزہ کچھ کھنے کی کھانسی نہیں۔"

"اچھا، ایک پرانی، چھڑا سوز چھڑا جاتی اسٹاپ میں داخل ہوئی۔ چورسے کیا
سافر تو ہوئے۔ شاید اسی لئے سب چوری سوز تو ڈاری کر رہی تھی۔ اسی کے
بعد ڈرائیو، "میں" رشید مرزا آؤنگز اسے ہونے پر تو ہونے اور پونڈ پر قتل کیا کہ
گرس۔ مگر بلو کر اچیل پڑے۔ پونٹ کیا چوری سوز چھڑا نہیں بلو ڈری تھی۔

خ "جب کیا پینے کھا کھاتے رہ گئے ہیں لوہے دن تھے۔ زندگی کیا تھی۔ ایک
گھنٹہ کی گھنٹہ تھی۔ اور اور رات کی تھی سے آؤ۔"

ان دنوں گھنٹہ کی ہر اظہار تھی جہاں حکم اشارے کے پیچھے جانے میں
ہے تھے۔ آج کل کی بار دھار اور ناٹکوں سے ہم پر ہنس پڑی تھی کہ وہ سے
دیکھی جاتی تھیں۔ صرف تو کر چاکری سونڈ، لی سونڈ کی ٹکی تصویریں ہادی
خانوں کی دہشت جاتے تھے۔ یہ تصویر ہمارے یا کسی یا کسی کی تصویریں تھیں ہی جہاں کی

محبت کی حق وار سمجھ جاتی تھیں اور نوجوان بھی ستاروں کے پروانے میں
تھے۔ "ابھروں" کاسن دوم میں جاتی تھیں پائیس ڈاؤب اور شامی کے چہرے
ہوتے۔ انگریزی اس وقت صاحب اور ملک کے لہجہ پر مل جاتا تھا۔ "دوسری
بنگ حکیم کے بعد ملک کی آزادی کے ساتھ ساتھ ہزارے کے سائل نے بھی
امیت حاصل کر لی تھی۔ مگر ملک کے ایک خاص طبقے میں ہزارے کی خودت کا
احساس نہیں پیدا ہوا تھا۔ آزادی اور ہزارے کا مسئلہ کچھ قسم سا تھا۔ ان دور جن
پر انہوں میں قسم بھی تھی اور سوشل بھی، کہ "حکمران بھی اور قیصر اللہ بھی"
ایس تو اس بھی اور رشید مرزا بھی رشید مرزا کے ساتھ لے جاتے تھے "ٹھیک انگریزی
کے الفاظ اور جیسے اسی پگھور خانے کے نہیں جیسے گروہوں کی خاص پہچان تھی۔ یہ
جگہ تھیں وہیں عہدہ داروں کے اعلیٰ انگریزی اسکولوں اور مشورہ کاروں سے لے
ہوئے "خوش نصیب نوجوانوں کا جن کے مستقبل روشن تھے اور تھیں زندگی کے
غراب خوش گوار۔ ان میں سب ہی کم و بیش کم ذہنی کا نظام، جیسی پگھور مستقبل کے
دھندلوں سے چھٹا تھا۔ ذہن انکا نوجوان تھی میں یا تھا۔ اور اگر کسی طرح
جیسے دل کر پاب بندی کے کسی بار سوز دیکھ یا اپنی ذہانت کے بل بوتے پر تھی بھی
ہا تھا تو اپنے دھڑے پر کھلی جڑا تھے اپنی جڑ کا سرخ کسی کو نہ دیتا۔

رشید مرزا اگر کے ایک اجڑے ہوئے طفل خاندان کے چہرے اور جن
بچوں میں سے پانچویں نمبر تھا۔ اس کے والد لوہے محمود علی شیرانی کے ہاں خوش
تھے۔ مگر پھر شہر میں ایک اور چہرے کھلے گئے تھے کی جگہ گھنٹہ سے گھنٹہ
مکان ان کے خاندان کے ساتھ کئی خاندان جڑ جڑ رہے تھے۔ جڑے چار
برائیوں کو اسکول سے زیادہ ہنگ ہادی اور کھڑی کے اکھاڑوں سے شوق تھا۔ تین
دلہ سے چھٹی تھیں قرآن مجید پڑھنے اور ایرو کی شہرہ حاصل کرنے کے بعد
دلہاؤں کے انتخاب میں جلی تھیں۔ رشید مرزا کی قسمت اچھی تھی کہ لوہے
صاحب کے لوگوں کی صحبت ملی لود اپنی ذہانت کے بل بوتے پر اس نے لوہے
صاحب کی خاص توجہ حاصل کر لی۔ انہوں نے اسے مل کر نہ بھیج دیا۔ جہاں دیکھ

کے سارے اس نے فرست دیں جن کا ریکارڈ قائم کر لیا۔ پس ابھی گزر رہا تھا اس کے لیے غصے دیکھ کر قاتل واقعی چلا جان یعنی نواب صاحب کا مزہ بکھا جائے۔

خدا کے والد کے حلقائی والدین کی۔ اگر "علی گڑھ" سے دور تھیں۔ پتا چھ بہت جلد سے پہلے پہنچ گئی کہ دلاور مرزا نواب صاحب کے ایک مجلس بکھرے کا ہوا ہے۔ دلاور ایم۔ اے اور بھارتی ایچ ڈی کرنے کے لئے نکلے پلا آیا اور اپنے ادنیٰ کو بہت دور سے بھی دیکھ کر آیا۔ والدین کو پتا بھی نہ تھا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا۔ کہ جب وہ اسی وقت اسے میں نمایاں طور پر کامیاب ہوا تب ہی اس کی خال اور چوہا بھی میں اس پر ہوتا چل گیا۔ مگر دلاور کو اپنی دودھیال اور غیبیال میں "سہلا" کے دور سے اپنی برہمنی کو بھی لے گئے تھی۔ علی گڑھ میں اس کا راز فاش ہو گیا تھا اور نکلے میں اسے پتا چل چکی تھی۔ وہ ایسا مقرر تھا۔ میں کالم لکھ کر نکالتا تھا۔ اس کے اچھے بہت سے امور حال دوست تھے جن کے خانہ بدوش کی تو بھگت میں پتہ چل رہے تھے۔ میں کئی نسبتاً بڑھ چکی تھی مگر نکلے میں غارت سے رہتا دلاور مرزا جیسے ہو تمام نو جوانوں کے لئے مشکل نہ تھا۔ مگر وہ جرب پور داغ زمین تھا جس نے مطلق و عاشق کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی پس اپنا مستحق شہر کرنے کی دھم میں لگا رہتا تھا۔

قدیم کا ستر تین دیکھئے۔۔۔ ختم کو ختموں کے بعد بھی دلاور مرزا خود کو شہزاد حسن کے سر سے کھڑا نہ رکھ سکا۔ کالج کے انگریزوں اور نو جوانوں پر دھیر تک شہزاد سے جڑا رہے۔ دوسرے شہزادوں کے پرستاروں میں عمر کی کوئی تھی نہ تھی۔ مگر دلاور مرزا تو پہلے ان سب عاشقوں کو گدھا سمجھتا تھا پھر کیوں اس شخص سے شہزاد پرے دیا؟ شہزاد نے پائے چھپنے کی پٹی پائی اور دلاور کی۔ انتہائی غائب چڑھی اور طرار اپنے حسن اور ذہانت پر مکمل بھروسہ رکھنے والی مسکراتی ایک شخص سے ملی پہنچ۔ مگر دلاور "پڑا" ہونے پر انہوں کو نصیحت کرنے میں ماہر رہا ایکے میں کسی موز پر وہ ایک دوسرے کے سامنے آتا تھا تو ساری واقعاتی انہیں بھروسہ ہو جاتی۔ شہزاد دلاور شہزاد کی چٹکی بھاری ہو جاتی۔ ایک طرف چٹکی بھاری دلاور دلاور کو جو سنے لگی

اور ہوش نہ بکھرتا۔ اہل کمرہ "میل آف" ٹیکٹ بھار دار زمین دلاور مرزا دلاور انہوں کی طرح کوئی نہ تھا۔ آٹھ سٹے لگتا جیسے شکر پڑ گیا۔ ایک ہاتھ کو تو کسی کتاب کا سارا ل چاٹا دوسرے ہاتھ کی پلٹت کچھ میں نہ آتا کہ اس کا کیا صرف ہے۔

ان کے دل پہ لگے جسم بھارتے "مکرمہ" سے جس بے بسی "دو کھے اور دوسرے" پہلے اپنے دوسرے کی قہقہے پانچوں کی چاپ میں کر دیں گئی کات کر تھی سے گزر جاتے "بیسویں صدی کی کام سے جاتا ہے۔

لاہوری میں کوئی سولی کی کتاب کھول کر شہزاد کوئی ضابطہ اہم چیز تلاش کرنے لگتی۔ دل کی اپنی سیدھی دھڑکن کوئی جانتا اور اپنی اپنی سے بکھل دے۔ یہ جائزہ "مکرمہ" یعنی اس کے دوسرے میں کھلی چٹکی ہے اور صرف دلاور کی آگ میں رہتی ہے۔ اسے دیکھ کر پاؤں پیچھا لے لگتی ہے اور شہزاد کے اپنے دلاور کو کچھ "بھی اڑاتی" لہذا "بیسویں صدی کی" ہے۔ وہ شہزاد نہیں۔ کسی یہ وقت "امور" بندویش میں قید ہوا ان کی کامیابی ہے "جو موقع ہے موقع اس پر جاری ہو جاتا ہے۔

وہ جسے دلاور خود سے کوئی "بیسویں صدی کی" کوئی برف کا چھینٹا کوئی تو کھیل دار اپنے انہیں میں چھپر کرتی۔ یہ کیا مصلحت ہے کیا وہ اسے کما جائے گا؟ جب پتلا خانے کے سن چے جڑتے ہیں۔ خوب بھینٹیاں کھی جاتی ہیں۔ دھڑلے سے بیٹ پاڑوں ہوتی ہیں تو وہ پہلے "مزا" کہاں دیکھ جاتا ہے؟ دلاور مرزا بھی اچھے کھیلے ہوئے مگر نو جوان کی طرح جلد بازی سے نہیں چہکتے۔ شاید اشتہا۔ کچھ زیادہ ہی الجھتے ہیں۔ اور وہ بھی اس کی ہر بات کی کات کرتی ہے۔

اور دلاور تک "فرد" دل ہی دل میں کڑھتی ہے۔ "ہاں" کیا بھاری بھاری ہے۔ اور وہ "جو ہاتھ کا مطلق" اور "جو ہاتھ سے قہقہے بھارتی۔ وہ "شباب" تو یہ کھلا سونا چھوڑ دی۔ تو کو ان کا سہل نہ ہوا تو دھڑکی جاری رہ جائے گی۔

وہاں کہاوت کرتے ہیں؟

میں 'اب دولت کو دیکھو' سے کامیابی شوق میں رہا۔ نہ دیکھو مرزا کے خیال سے چلے، جو بھل ہوئی جس طرح میں نہیں دیکھتی ہے۔ خدا کا شکر کہ دل دہ ہے۔ مرچانا تو کسی کا کیا کر لیتی؟ دل کی بیٹیوں کو ہی اس نے دیکھیں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ ہمیں جب اس نے دست میں ہے جب کے چلے کھاتے ہیں کو دیکھا تھا اور چھوٹی پر چات کے بھونے چچ چاتے تھے چوں کی آنکھوں میں ہموک دیکھ رہی تھی۔ ہمارے دماغ کے مطابق کے پیچھے کیا وہ جس کی ہلی کو گاہک کے لئے کے لئے جلی کا کدہ چھتے ہمارے ہنگ تم پے دیکھا تھا۔ ہلی کے کتے میں سے ایک کی طرح بولے چھوٹی ہنگ دی تھیں۔ اس نے اس میں کو بھی دیکھا تھا وہ اپنے چوں کو بالکل ٹھیک ٹھاک کر لے کر اس کو ہت دی تھی۔

"کیوں مار رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"یہاں حرامی ہے یہ پھر لوگ ہم صاحب۔ ہمارا اور اور کھاتا ہے اور انکا جو چات مصالح میں کھا جاتا ہے۔" وہ ہنسے تھیں سے جی اور بڑی طرح ہانپ رہی تھی۔

"تم میں سے ایک سگڑا ہی ہو؟"

مرد کیا کہے ہم صاحب؟"

میں کا باپ کہیں ہے؟

سہماگ کیا ایک چکنے کے سبک۔"

اس نے دھماکہ کر کے ہولی لٹ کو دائیں میں اڑا دیا کہ نہ وہ دھبے سے دھبے سے اسے دس دی تھی۔ شوق نے جب دھرتی کے نصیب کا زہریلا لیا تھا تو اس کا ستر پلا چ گیا تھا۔ مگر اس کا کل پلا نہ ہو پایا۔ سارا زہر دل میں اڑ گیا اور اس نے کیڑوں پر اڑ پڑا۔

"آج ہے مہما۔" اس نے بڑی کو پٹے رنگ میں ڈالتے ہوئے سوچا۔ "کتنے ہیں جب عورت گھر دلی ہوئی ہے تو اس کا انگ انگ کنوں کی طرح دیکھ گئی

ہے۔ انکو بھی گھر کینسر بھی حالت ہو تا ہے۔ لیکن میں نے سہو کے جسم کو نہ چاہا۔ وہ کیا جانے گھر دلی کا کدہ کدہ۔ خوراک ایک طرح کی ہو گئی۔ جہاں کو بیل بھونے کا بھی شوق نہ تھا۔ لوگوں کی نگاہوں میں کیا پچھانیں دیکھ کر وہ سم ہائی۔

دقت کے ڈپے میں ٹپلی فون کی جھنکی جا اٹھی۔

"میںیں۔۔۔ خوراک میں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کا نام؟"

"دانش مرزا۔"

وہ چمکی سو رہی تھی۔

"بلو۔۔۔ بلو۔۔۔" کور سے توناز تھی۔

"میں خوراک ہل رہی ہوں۔" اسے حیرت تھی کہ اس کی توناز میں لڑائی کیوں نہیں تھی۔

"کوہو! کوآپ عرض؟"

"کوآپ عرض۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" میں یہاں ہوں۔

"ایکلیٹ سات سمندر پار کسی۔ گمراہی کی ارض پر ہے۔ اور آپ کی ضرورت دیکھتے ہوئے آپ تو کھانے کے چلے جاتے ہیں جیسے گئے گروے نہیں کر۔۔۔"

"مجھے تو نشانہ ہائی کی مشق چاہی ہے۔"

"آپ کی دعا سے اپنی فنی کے کسی افراد میں عاشق سوال کی خاطر بلوہ اٹھوا رہی۔"

"غریب۔۔۔"

"مجھے یہ پتا ہے" آپ سے ملاقات کا وقت لینے کے لئے آپ کے ٹیکسٹوں سے بات کرنا ہوگی؟"

"میرے" آپ نہ جانے کس مٹا ہے میں چاہے ہوں۔ میرا جی تو آپ سے ہی ہوگا جسے ہلاک ہو ٹیکسٹوں کی ضرورت رکھوں۔"

"آپ سے کس وقت مل سکتا ہے؟"

"جو کچھ گزری آپ کو سوت کرے۔"

"یعنی کراہی۔ اسی وقت؟"

"فصل۔"

"وہ۔۔۔ میرا مطلب ہے میرے ساتھ یہی بھی ہوگی۔"

غضب بنا کر سخت باتیں نکالنے کی طرح تپ تپ کر گئے۔ مگر اس نے جلدی سے کہا ضروری۔۔۔ بھی۔۔۔

"بچے تو ہیں۔"

"مطلب ساتھ نہیں آئے؟"

"ہوتے ہی میں تو ساتھ کیسے آسکتے تھے؟"

"دودھ سوری؟"

"نہی بہت نہیں، پیمانہ ہم آتے ہیں۔"

تھوڑی دیر تو وہ نیلی فون کا خاموش و سیر رفتہ ہجری سورتی کی طرح بیٹھی رہی۔ پھر جیسے ایک دم کھڑے لاکھت نے پھیلنے سے غیر مطمئن ہو کر پھینکی ہے۔ بھڑا دے مارا۔

وہاں۔۔۔ کچھ گھوڑے ہو رہا تھا۔ دھوکوں کے خوب رش تھیں۔ رات کے اندر سے ہونے پکڑے جانے کی پٹائی۔ اس نے جلدی جلدی پہنچا ہوتی شہر کی۔ کڑا جو سٹ۔ اٹا کر وہ سبے کمرے میں چلا۔ پہلے دھوپ کا کئی درم کی ساڑھی نکالی۔ جلدی مٹا دی گئی۔ پھر گاڑی جن پہنچی تو ٹوک۔ پانی یہ فیک رہے گی۔ نہ جانے دل کا کوئی سا کوئی بھار بھار کر کہہ رہا تھا۔ دھندلا مرزا کو اس پر ترس کھانے کا موقع نہیں بنا جاتے۔ وہ اپنی جلدی کے ساتھ اٹھتا ہوا اپنی کھسپاں زدگی کا حضور ادا آتے گا۔ اچھائی پر ترس کھانے گا۔ وضو! میں۔۔۔۔۔

کھنکھنے سے اس نے ایک بار آنچے پر ٹھہرا دی۔ بجلی چپک اور مسکرا اسے چہرے پر فطرت پیدا ہو گئی تھی۔

وہاں ان کھول کر وہ ہر چہری سورتی میں گئے گی۔

سوکھا، پرخاں لہا آؤ سا، بالک کھانا ایک منزل سا انگریزی بیوی دانت نکلتے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھ والے ایک مٹی کی پیالیوں کھڑی تھی جو مشکل سے اس کی کمر سے اتر سکتی ہوگی۔ جلاؤ نکھو وہ پانی پیل پیتے ہوئے تھکے۔

"دھندلا مرزا اور سلویہ بھری ہوئی۔" انہیں انگریزی میں ہو گئی۔

"شہزاد۔۔۔ آچے آچے۔"

"یہ تو اب بھی حسین ہے؟" سلویہ نے میاں سے کہا۔ وہ ان سے چند سال بڑی ہو گئی۔

تھوڑی دیر مٹا پھینکا رہا۔

"باناؤ کیا اب بھی تو نہیں بد رہیں گی۔ صرف دل دھڑکیں گے۔" شہزاد نے سوجھ بوجھ کر اس کا دل نہ دھڑکا نہ اچھلا۔

بکھے اندر کے عرض نے پریشان کر دیا۔ دراصل بھری اور سلویہ کی ملاقات اور شادی بھی جنت کی اندر کی وجہ سے ہوئی۔ ہم دونوں ایک ہی ڈاکٹر کے زیر علاج تھے۔ پھر ملاقاتیں باہمیں۔ سلویہ کا مرض مجھ سے بھی پرانا تھا اس کی راسخہ پر عمل کر کے بکھے بہت کاغذ ہوا۔

"کالی کھنکھائی ہے پر انا نہیں چوں۔ شراب نے انہیں چاہ کر رکھا تھا۔"

"سلویہ نے مجھے ہی زندگی دی۔"

"آپ کی شہرہ۔۔۔"

"کالی شہرہ کی کوئی پرانا سال بیل تھا ہے۔ اکتوبر میں پرے سے چار سال ہو جائیں گے۔"

"کالی کو تم سے چار تھا۔" سلویہ شراب سے مسکراتی اور جانے جانے لگی۔

"پلیز سلوی۔" دھندلا مرزا کے ذہن چہرے پر بظاہت بھٹکے گی۔

"میں شہزاد! میں حسن کیا تھیں بھی ان سے چار تھا؟"

"سولی!"

"ہمارے پاس عورت محبت کا افراد کسے تو ہے دیا بھی جاتی ہے۔" شہزاد نے ذائقہ میں ہاتھ جھانکا۔

"مگر حضور! ہمیں اس سے محبت ہوگی۔" ناگھن ہے کہ والی نے ایک طرف محبت کی اور اس شہرت سے کی ہو۔ اسے سبیل۔"

"میں ہاں سے کاٹا ہوا" شہزاد مرزا نے صوفے کی پشت پر سر تکا کر انہیں بد کر گئیں۔

"ہاں سلی۔" بحر قمر دونوں نے شادی کیوں نہیں کی؟ پر اسے خدا تعالیٰ کے بزرگوں کے ہونے سے مجبور ہو گئے۔"

"نہیں۔"

"تو کچھ؟"

"کچھ نہیں کچھ نہیں کے۔"

"کیوں؟"

"یہی مشکل سی بات ہے ہم بعد متعلق لڑکیوں کو لاد بھی ہیں اور محسوس بھی۔"

"تو کیسے؟"

"ہمارے دو دشمن خیال بزرگ ہمیں جیون ساتھی کے چٹاؤ کی بوری آزادی بھی دیتے ہیں مگر یہی نری اور ہوشیاری سے ہمارے انتخاب کے بارے میں دل میں شبہ ڈال دیتے ہیں۔"

"اختیاری قسم، خیر انسانی درگت!" سولیا پھیل۔

"مگر انہیں ہم نہیں قرار دیا جاسکتا۔"

"کیوں کہ وہ بہت چالاک ہیں۔"

"نہیں! وہ ہم کو کھرتے ہیں! ہماری بھڑی کچھ کر گرتے ہیں۔"

"سولیا! اس قدر محبت ہے ہم جیوں نے وہیں آئے ہیں۔" شہزاد نے

بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ اس لئے یہ بحث فضول ہے۔ کوئی کام کی بات کرو۔"

"چھپا! یہ اتنے دن بعد بعد متعلق کس مسئلے میں آتا ہوا۔" شہزاد نے موضوع بدلا۔

"وطن کی یاد کھینچ گئی۔"

"مگر تپ تو پاکستان پہلے گئے تھے۔"

"پاکستان بھی میرا وطن ہے۔ وہاں تو سب سے پہلے پیدا ہوا تھا۔"

"میرا بعد متعلق۔"

بعد متعلق میرا قبائلی وطن ہے، جہاں میں پیدا ہوا۔ جہاں میرے چچا اور دینی ہیں۔ جس سٹی میں میں کھیل کر بڑا ہوا۔ جہاں کے پانی کو بھول سکتا ہوں۔ جہاں میں نے میرا شروع کیا۔ وہ میرے کی پچھلے پچھلے گھریں۔ حرم کے خوبے، ہولی کے

دھنیں، جلوسے، دولہ لڑکی، جنگلاتی، پول تو ہیں، برطانوی باشندہ ہوں۔ تو کیا انداز کئی کی کھینچ گئی، کرنا، پندرہ کی زندگی سے میرے مصلحتیں، طبی اور امی بلے، باکس ہے۔

بیٹہ بہت، جنگ، پارٹیاں، فیصل اور فیصل، صدی، میں، میرے اپنے نہیں؟ سیچا ہوتا تو سولی وفا اندی تھی ہے۔"

مگر ایک لوہا سی خوشی پچھلے۔ ایٹنے والی خوبی۔

"میرا آپ۔" شہزاد مرزا نے کہہ۔ "میرا کا تقریباً نصف حصہ انگلستان میں گزارنے کے بعد وہ بھی تیسرا وطن ہو گیا ہے۔ وہاں میرا بیت کی جہاد کی جہاد میں

دھن ہے۔ مجھے اس زندگی کی ایسی محبت ہو گئی ہے کہ کہیں ہی نہیں گھٹا۔ کیا وہ جو امران، تو ان لوہو مرزا سے جڑت کر گئے۔ صدیوں کے بعد بھی اپنے آبائی وطن کو بھول گئے ہیں؟ کیا ہمیں اس لوگوں سے وفا نگاہ نہیں ہے؟ ہم ہم نے وہ میں

اپنے بزرگوں سے پایا ہے۔ جھ ان جیوں وطنوں سے پیار ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ملک سے پیار کر کے دوسرے ملک سے خوشی کر رہا ہوں۔ مجھے لوگ

بعد متعلق اور پاکستان سے دوسرے ملکوں میں جا ہے۔ وہاں سے ٹالے گئے تو جہاں

سنگ ملا وہاں جا رہے۔ مجھے ایسے لوگ ملے جو خود کو ہندو متی کہتے ہیں اور انہیں
جس سے کالے گئے ہیں اس کی یاد میں دھرتے ہیں اور انگلیوں میں آکر بیٹنے کے
بعد وہاں کے جلی ہو گئے ہیں۔

"جیسے صدوں سے ہندو متیوں میں ایسے کوئے پتلی خود کو پتلی ہی مانتے ہیں۔
میں سے جنگ بھی ہوئی وہ خدا میں ثابت ہوئے۔ وہ چاہیں بھی تو اپنے آپ کی دھن
میں جانتے یہاں، لیکن میں صدوں کے لیے اپنے امیر لائی اپنے آپ کی ملک کو نہیں
بھولے۔ مگر ہندو متی کی علاقہ کی علاقہ ہی ہے۔"

"اے! بڑی بارہاں کر رہے ہو تم لوگ قصہ سے جواب سے مجھے قتل
نہیں ہوئی۔" سولی بگڑا لی۔

"کس جواب سے؟" شراد نے پوچھا۔
"مگر والدین ذہنی نہیں کرتے بلکہ تم لوگ اپنے پیار کا کاکھنٹ لپٹے
ہو۔ تم دونوں بھاگ کیوں نہیں گئے؟"

"کیا ہے دم بڑی ہے کہ شہر کو بھڑانے پر مصر ہے۔"
"اس وقت میں قصہ ہی تو قصہ ہی تھی۔ تم بھاگ جاتے تو مجھے تو خبر بھی
نہ ہوتی۔" سولی بولی۔

"کیا آپ کے ملک میں جو انوکھ والدین کی مرضی کے خلاف بھاگ کر
شادی کر لیتی ہیں۔ وہ کامیاب زندگی گزارتی ہیں؟"

"محمود ملی لوانہ۔ بڑی مشکل سے جاتے ہیں۔ کوئی گارنٹی نہیں۔"
"یہ کبھی اب تم نے کبھی کی بات۔" دھار پنے۔ "والدین جبراً شادی کو ہیں
اور ناکام ہو تو والدین بکرم اور لوانہ اپنی مرضی سے کہے تو والدین کہتے ہیں دیکھا
ہمارا کامیاب ہے۔" دھار پنے۔

"سولی خود کر کے جاتے جاتے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور دھار مراد اور
شراد ہر گھروں کی طرف گھر گھر پہنچے۔

"ہمارا کامیاب۔" بگڑا دھار کو خیر نہیں۔ میں کچھ نہیں سن رہی ہوں۔"

سولی نے کھلے سے ایک کالی۔

"ایک دم دھار نے غور سے شراد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور کھست
تواڑ میں کہا میں نے قصہ ہی سمجھتے ہیں زندگی کو تلاش والا۔ خدا را ایک بار آپ تو
کہہ دو کہ میں اس میں نہیں تھا۔ میرا ہنسنے ایک طرف نہیں تھا۔ قصہ ہی تو
نکس کی بگڑا لی۔"

"ایک اقبال جرم سے ہی جرم ثابت ہو گا۔" شراد کی ہلکی بھاری ہوتی تھی۔
شر پتلی لٹ پٹل کر دھار کی دھار کو پھینکے گی اور نہ جانے کتنی
صدوں کے بعد ہونٹ کاپ کر رہے ہو گئے کیا کاکھنٹ اس کے ہاتھ کی لٹ نہیں دھار
مراد کے ہونٹ ہیں۔ اس نے لٹ نہ لٹے میں نے خود لائی۔

"مگر خداوند کی گارنٹی قصہ سے قصہ سے نہیں رہا۔ سوز سارے ہے۔"
"ہو شاید وہ سری صورت میں نہ دیا گیا۔"

"مگر وہ تم بڑا ہوتے آپ تک تو طلاق ہو چکی ہوتی۔" سولی نے چائے کی
زے لٹے ہوئے کہا۔ "میری میں سب سن رہی تھی اپنی اور کچھ لیتی ہوں۔"

"اچھا سولی! آپ نے اپنی دہری میں شادی کیوں کی؟"

"کیا تم ہندو متی کہتے ہو تم ہی عشق کرنے کا طبقہ جانتے ہو۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میرا عجیب فکری کے معاملے میں مر گیا۔
اور آپ نے اس کی یاد میں زندگی کے بہترین لمحے تھیلی کی بیٹت چڑھا
لیئے۔"

"مجھے بھی پتلی بھی ہوئی کہ مجھے کاکھنٹ کا۔" اپنی آواز تم نے مجھ سے کہ
دھرت نہیں کی۔ نیچوں کی کھول کے پنے۔

"تم کتنے اس میں ہیں۔"

"پھر بھی زندہ ہیں۔" "در اصل ہمارے دل زندہ ہیں۔" شراد بولی۔
"اچھا شراد! مجھے سولی سے پتا چار ہے۔ اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ

سکا۔ جسیں اعراض دے نہیں؟
 "تو یہ! شہزادہ نکلا گی۔" "میرا" میں کوس لگے گی سولی پہنچے علی! آپ کو
 یہ کہ اعراض ہے؟"

ان دونوں کے جانے کے بعد ابھی شہزادہ ایک عجیب سا نقشہ طاری رہا۔
 "ایسا لگا کہ صرف روم میں پودوں پر حق ہے؟ دل اور دماغ میں ہر سا پھر اسی
 ہے؟" ان میرا دل اور دماغ نے جذبے سے "مطلوبہ" ہو رہا ہے۔ یہ میرے بچے جن
 سے میرے قدر و اہمیت کی بھی قیمت واجب ہے۔ کیا میری لڑکھو نہیں۔ اس کی بیٹی
 اور بی بی شہزادہ کو یاد سے لیا۔

"ایسا کیا آگئی ہوں؟ سات سو سال پہلے کسی دل میں ایسا نہ کی رہا
 تھا۔ میں نے سب جانا ہے اس کی باتوں میں پہلے ہی ہے۔ میری گزری میری
 قد میری اپنی تھی ہے۔ میری اپنی گزری ہے میرے اپنے جس میں ہے۔ اور پھر جن
 کہوں میں میری شہزادہ کی ہوئی جس ان سے بھی تو میرا ایک نا ہے۔ یہ بلند وہا
 شہزادہ "منہ خانے" پہنچا سوک پہنچنے کے بعد میں آگے پہنچے "میرے میرے
 کھیت" میں اور تھیں دور علی زمین کی تھی۔ اس سب کو میں نے اپنے برقی میں لیا
 کر کے کیوں یہ سمجھا۔

ایسا کیا آگئی ہوں؟ ابھی شہزادہ حسن "تو اب" وہ! "
 "اور ایک کس وقت اور آگے بھی صدی کی ملک سے پھر کیا اور شہزادہ
 بہانے کے گھر میں لگے۔

وہ کہتی تھی سارے کلاسیک بار کرشنا۔ آگے بہت خوش رہی تھی۔
 شہزادہ نے برقی شہزادہ اور تاری رنگ کی بیانی میں لیا۔



میں چپ رہا

اسٹیشن پر گاڑی صبحی اور مسلم ہو آگے نہ لے گی۔ حلال کر چلتے چلتے
 بھی ہو لڑکھے لگے تھے۔ امیر کا شہزادہ ابھی عرس سے ایک سید پہلے اور پھر پینڈ
 کاس میں سفر چلانے ہوئے روپے ناگ کے دستے نکل رہے تھے۔
 دونوں آگے سامنے کھڑی کے قریب کی سیٹوں پر بیٹھی کنوڑ دھن کھولے
 پر امن اور آگے کی ترکاری پہنچائی ہوئی تھی۔ ان کی باتوں سے پتہ چل رہا تھا کہ
 دونوں چاہتے ہیں۔ امیر شہزادہ سے میرے بڑی کر کے آ رہی ہیں۔ دھلی چلی
 بیٹھی اور میں کریم بستی فرانس کے کھن کھانے ہو جاتے ہیں۔ قرأت (قرآن)
 پڑھنے کا طریقہ) کاسا سرور چھا جاتا ہے۔ مجھ کو پھر لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
 ہے۔ یہ کھیل کھیلے جو مٹی کے گلاب سے اسے بھر اور اور سرے سے صدی میں کی
 نقل۔

"تو یہ زبان ابھی زندہ ہے؟" میں نے سنا۔
 کہنا کہ کہ دونوں نے کھانے کے باقیات دھوئے اور انہیں سے پوچھ لے۔
 میری سیدہ روبرائی میں تھی۔ سامنے بیٹا ہوا مسافروں چلا گیا تو میں نے
 ہنر بچا لیا اور اوجھٹے کا ہر کام کرنے لگی۔ کچھ صدمہ کھن رو کے کھن کھن بھر رہی
 تھی۔ اپنے ہوئے کھن کھن کے کھن کھن کی طرف تھک رہی تھی۔ وہ آگے میں
 دے پھانکوں پر نظر تھیں کھن کھن دھری لگے تھے۔

گر ایک دم بھٹتے کے غوار سے دلی ہوئی لڑکی توڑ سے بھٹ جاتی ہے۔

خدا کی بار مٹائی ہی مٹائی ہے ایک ہزار بار تو خدا اسی روز سب بچوں کو
 "پچھو دینی تھیں گوں غنیمت کا پھول" ہے۔ ایک بچے کی تو ہم "ہمارا گرم گرم
 جلیبیوں لپٹے اور ایک بچے کی بیکھرام سے چلنے والی دلی کی چلی چلی کے پیراں اور
 تکیا مٹائی چلی۔" لہذا قسم یہی ہے ہمارے بچوں کو تپا کر تھیں۔
 "ہمارے بچوں" تم کہا جاتی تھیں؟

پھولی پھولی ہو کر تھیں تھیں۔ انہوں نے انکو سے اور لے کی اچل کا چلنا
 کر اپنا پھولی۔

مگر ہم بھولی تھیں انے پیر بکری کا گوشت۔

سب تو صوفیوں میں چہ وہاں سے میرے کے بھیکوے کس کے لئے
 دنگتے ہیں جن میں کوئی نہیں۔

ہمارے ہوں کسی نئی شادی میں دینے کے چیز کا دونا دونا لگیں۔ صوفیوں میں
 نے کیا چیز دیا ہے۔ حیدر آباد کا لڑکا تھا وہاں دونا کا کھنڈا دے ہوئے کے ہم
 سے بھرا دیا ہے۔ ہندوؤں میں اس رسم کو بھیرتے ہیں۔

ہمارے ہوں بکھر دیکھی تو توڑ میں راد کی باتیں کرتے تھے۔ رعنا کے بکھارنے
 اور سے ہندوؤں کی مراد آباد میں بڑی قربت ہے۔ مسلمان تو کوئی کے عجیب تھے
 ہیں۔ پانچ پانچ برس کے بچے کچھ سے شام تک بٹے رہتے ہیں۔ انہیں روزگار جو
 نہیں نصیب ہمارے ہوں ان کی سکلی نے کیا کہا کہ دور سے بھاری۔

تو پھر بھرتے تھے۔

موند تم تو نری پاگل ہو۔

"ہاں" بے ی تو اپنے ہوش و حواس میں ہوں۔

اور سے بھی اچھیں کے لئے کیشن دینے کا ہے اور۔

مگر کیا کوہ ہے کہ کیشن پھینچتے ہیں اچھے نہیں اور بھٹتے انہوں کے سوال
 (مل کرنے کے لئے ہی پھینچتے ہیں۔ خدا کے لیے اچھیں سے۔)

"مجھے تو نہیں یاد کہ پہلی میں ایک بھی کیشن دینا ہو یا نہ دینا گیا ہو۔"

"ہاں یہ کیشنوں کا فیشن تو بس لومرو سال سے ہی چلا ہے۔ خدا کی بار میں
 ہر مرض کی دوا ہے ہمارا کیشن ہیں۔ اندر کا گڑھی پر بھی دینا تھا" شاید اب بھی دینا
 ہے۔ مختلف کیشنوں کے گچے میں بکھر میں بھی آتا کہ اس والے کیشن کا کیا
 ہوا۔ دینا ہے کہ۔ اور غنت بکھو۔ اچھی ہے تو خدا یہ کیشن دینا کیسے ہے۔

تو دلی نری گئے کا کھنڈا ہو۔ بھلی چند بچے لوگوں کو بچن کر خدا دیا جانا
 ہے۔

میں۔

"اے کس ہاں دلی میں دینا جانا ہوگا۔ تو تو خدا دونا ہاں کی کھال کا کچی
 ہو۔ اب پر ہمارے کرسیوں پر بیٹھے ہیں کہ اسٹوٹوں پر؟"

چائینی چائیں پر ہی تو دینا کچھ ہیں۔

"توہ داری کے کام گدوں کھینچ رہے کر میں کے جاتے۔ یہ بھی کوئی
 حشری چلن کا بڑا ہے کہ تو اب زانو کا کچھ لے گئے بیٹھے ہیں اور۔"

"اے برسوں میںوں کرسیوں پر کچھ کچھ تھوڑے ہو جاتے ہوں کے کیشن
 والے بے ہارے۔"

"تو کیا دن رات کیشن پر ہی بیٹھے رہتے ہیں؟ پنا ہمارا کچی بیک جاتے پانی
 کچھ ٹپک رہی چلی ہوگی۔"

"کچھ ہے ہمارے کام ہونا جانا ہوگا۔ غلطی قسم کے لوگ ہوں گے۔
 "میں کی بڑے بڑے کچھ دلی حشر کے جاتے ہیں" بھو دار لوگ جو تمام

مسائل سے واقف ہوں۔" باتیں دیتے ہوئے ہوں گے۔"

"خود دلی تھیں۔"

"میں تو اپنا کام دینا پھوڑ کے آن بیٹھے ہیں کیشنوں پر" تو پنا۔

"کام دینا کیوں پھوڑتے ہوں گے۔"

"تو ذہل دلی کرتے ہیں گوڑے" یہ تو سراسر اندھیر ہے بھی" میرے خیال

میں تو کسی کو ضرور احتجاج کرتا چلے گا۔۔۔ اے ہے نہیں، ایک اور مصیبت کوئی ہو جائے گی اور کیا کیوں بھٹاتا ہے گا۔ مگر ذیل دہی۔۔۔

"آج کچھ اور سے ملتا ہو گا، جی ملتے کوئی نہیں اٹھتا۔"

"میں کو ذیل دہی کا کچھ تو ملتا ہو گا۔"

"سرکار ہے گا، تو ہرگز نہ بیچ ہوئی۔"

"کسی اہلکار میں کچھ تھا تو کسی ایک کیوں ہر گاہوں فروغ ہوتے ہیں۔"

"اچھا تو کیوں میں چلنے کے انگ سے پہلے چلے ہیں۔"

"نہ نہ چلے تو ملت میں کسی کی مت داری کی ہے جس سے کوڑے کیشتیں

میں بچھا کیا ہے۔ اب جو یہ اٹھیں ہر کیوں بیٹا ہے تو۔۔۔"

"اے بی کوئی ذکر سوئی گائے کا کھانا ہوں یہ اٹھیں کیا ہوتی ہیں؟"

"اکیس لاکھ ہے قوت ہے، یعنی کسی۔۔۔ جو قتلہ میں کم ہوں

بانڈی۔"

"اچھا تو ہیں کو، توڑے سے تو میں ہر بیٹا ہے کیوں۔"

"مرد کہا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ان کی حق کلی ہو رہی ہے، ان کے ساتھ علم ہو رہا ہے، انہیں

دو گنا نہیں، عزت، باری جرات۔"

"اے بی تو تم ہوش میں تو ہو، اے یہ کون گلی کی ہانگے لگیں۔ ابھی تو یہ کہ

دی جیسے کہ قوت، یعنی کی جی کی تھوڑا کم ہو۔"

"ہاں، جیسے ہی جن، سلطان، بیلائی پاری، کھڑی دہی۔"

"نہ نہ، جی تو مجھے چلے ہیں اور تو ہی دہی بھی کوڑوں ہیں۔"

"سلطان بھی کہ لوں ہیں۔ بہت کم گئے پاکستان، ہندوستان سے ہجرت کر کے جانے

دھول کو وہاں ساتھ کئے ہیں۔ پاکستان کے اصلی باشندوں کے مقابلے میں ساتھ تو

بہت کم ہیں۔ اکیس تو نہیں رہی۔ بھڑوں پر قوت کیں سے چنگ۔"

"میں؟"

"اے بی اکیس تو بیڑوں، کھ پیوں، کھ تو پیوں اور ہم ستاروں کی ہے،

تو ہے کہ نہیں؟"

"وہی اکیس تو انہی کی ہے مگر ان اٹھیں کا جن کے ساتھ علم اور ٹانھائی

ہو رہی ہے جو ہے روز گاری، جرات، باری کا شمار ہیں اور۔"

"ان کی تو اکیس ہے اور تم کہ دی ہو کیوں اٹھیں ہر بیٹا ہے۔"

"اے بھلے کچھ تو ہے جس نے اٹھنے کی جاتی ہو۔"

"کہ تم بھی تو جانتے ہو، بہت کمال بی جاتی ہو۔"

"اٹھار میں تو۔"

"اے من اٹھاروں کی بھلی چلتی ہے اس لیے بہت با تم نے غلط چل رہا ہو

کہ۔"

"غلط کا ہے کہ چاقی، مٹانے چل کے تھاکہ اندولے ہر کیوں چل رہا ہے

اور۔"

"اے دکان کو، اچھا چل رہا کہ ملک میں اٹھیں کے ساتھ چھٹائی ہو

رہی ہے اور اکیس کھ تو پیوں کی ہے، اب آگے چل۔"

"آگے کیا چل رہا تم بہت اٹھیں آئے تو برف لوں، چلتی میں کھٹے چ رہے

ہیں۔"

"اے ہے ایسا بھی کیا کھٹ، یہ قبریں، آمادہ کار۔" دونوں سے لڑا ہائی

پلی کر اچان کھل کر ان من میں دیکھے اور کوئی سے باہر بھاگے گئیں۔

"ایسا معلوم ہو کہ ایک دم ہم لوٹ گئی اور لی دی کے اسکرین پر کھسا ہے

"بھلا کچھ،" "میرا دم کھٹے گا۔ اتنی باری جاتی ہر قبریں چاہی چ گیا۔ دیکھنے میں وہ

نیلے پاجامے اور سفید کرتے دوپٹے والی ہوئی فٹنی کھڑے قسم کی لگ رہی جس نے

پتوں میں بار بار چلے بہت رہے تھے۔ دونوں توڑی بہت چمکی کھیں لگ رہی

تھیں۔ "تھیم لڑوئی کی سی مگر چلتی کھڑی تھیں۔ توڑی بہت مگر بڑی بھی

میں ہندوستان بھی مائتہ اٹھ دہائیوں اور امریکہ سے کرپینے لگے گا۔"

مجھ سے آپ چپ نہ رہا کیا اور بولی ہی چلی۔
تھوڑی دیر پہلے وہاں جلسے میں رہا تھا، جسکو وہ مستقبلت سے ج
تھیں۔

آپ ہندو تو مسلم نہیں ہوئیں؟ انہوں نے جلی ہی تری سے پوچھا۔
(اس وقت وہ ان کا اسی وقت مجھے چھینک آگئی۔)

"جیسا کہ ہے۔" پتہ نہیں میری چھینک سے یہ صحت کیوں نہ تھی۔
"ایک گھاس پانی میں گی۔" میں نے ثابت پھرنا سا کہ آپ بھلا اور
حضرت عیسیٰ کے وار پر تھے ہونے غریبوں میں امداد کرنے کی۔
آپ نے جلی کاڑھی بات کی۔ "میں نے چھانسنے کا پھر جہاں گیا۔
"آپ جلی پڑھی تھیں مسلم ہوئی ہیں۔"
میں نے سادھی کے چلے میں وہ سری بھگت دیا جلی۔

مگر جوں جوں تک خوش حالی کی طرف بڑھ رہا ہے تو توں ہموک اور ہے
اری یا جی جا رہی ہے کہیں؟
"موتہ ہاتے۔" انہوں نے غصہ کی سانس لے کر ایک دم سارا اصرار وار
بھگت دیا۔

"ہات یہ ہے کہ میں ہوس جا رہی جا رہی ہے۔"
"نہ دیکھو بچہ تھپتھپے کو لڑتی بنا جاتا ہے۔ پہلے تو امریز جے 'میں جے'
نوتے جے۔"

آپ تو سات سو رہا ہے آئے کس لئے جے؟ بھگت دیتے؟ لوتے نہ تو
کیا تو پڑتے؟

"پھر اسے سارا ہے زمین دار تھو دار ہے۔"

"مور آپ؟" میں نے پوچھا۔

"آپ یہ جے کوئی ہیں۔"

"یہ جے توئی کس سے آئے؟"

موتہ ہاتے کس سے چھٹ چڑے۔ پہلے تو وہ چاروں نے ہاتے جے کے
نہیں۔ "انہوں نے اپنی پڑائی سے پوچھا۔
"موتہ سے اسے سارا ہے کہو خانے کوں چھٹے اور سارا ہی گے۔"
میں نے اپنے اپنے لپٹا دیا۔ "جاہن میں صر دار ہی گے جو کہنیاں دہائیوں والوں نے
کوئیں۔"

"آپ کو کیا رہا کیا ہے بے چاروں نے؟"

"مکانوں کوئوں کو روزگار دیا۔ ملک میں ہر مل بنے لگا۔"

"تو پھر کم بخت فرمایا کیوں نہ ملی؟"

"مگر امریکہ اور یورپ میں کیسے مت گئی؟"

"آپ کو مسلم ہے کہ ایک چھتری کے مالک اور مزدوروں کی کوئی میں کتا
فرق ہو آ ہے۔"

"پس 'تو تو ہونا بھی چاہئے تو وہ رویت ہو لگتا ہے۔"

"پھر پھر اور دوسرے اطہروں کو بھی مزدور سے زیادہ ملتا ہے۔"

"تو تو ملتا ہی ہے بھلا دہائی دہائیوں کے پاس کے برابر ایک ٹوٹے پٹے مزدور کو
کیسے مل سکا ہے؟"

"پچھتاوا زیادہ مل بنے گا تو ہی زیادہ کام۔"

"پس۔"

مگر ہر مل ملتا ہے اس کا فرقہ اور مزدور تو نہیں کہ اسے تو وہ وقت کی مدد ہی
مشکل سے نصیب ہوئی ہے۔ پھر مل طریقے سے کون؟ یہ صلاح پورا ہو اور مزدور کو
زیادہ ملار نہ ملے۔"

"آپ سے تو سارا مل ملتا ہے۔"

"مور کیا کہیں۔" میں کی مسئلہ ہوئیں۔ اے یہ تو جی مصیبت ہے۔"

"تو پھر آپ اور امریکہ والے کیسے پہلے بھلے؟"

دیکھ بھال لیا، وہ سہل بنی ہے۔ یہ نگہ جہانوں سے بھی بہتر ہے۔ انہیں شہوی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ میں بچے پر اکرے چاہے تھے جو مالک کی مرضی سے بچہ اور شہ سے ہاتھ تھے۔"

"ایضاً یہ انہیں تو شیطان کے ٹکڑے کہیں کا تھے ہیں۔" ہم سب اس وقت میں اوجھل گئے۔ میں نے سہا پہر تک تڑکی کر گئے۔ آخر میں نگہ گزار کر دینے گئے۔ لیکن اس کی وہی حالت ہے جو ہمارے گھن کے قریب جھک کی تھی اور ہے۔ اب بھی نگہ دہی ہی حالت میں رہے ہیں۔ دوسری جنگ سے پہلے امریکہ ہر طرح سے غور نظر تھا۔ رحلتے سے بڑا ہوا چھوٹا تھا۔ اور ملک کی طرح مانی چھوٹا تھا۔ اب یہ اکرے کے ساتھ ساتھ غریب اور بھی بڑا اکرے۔ کام کرنے والے کو اتنا دے کہ بڑا ہوا کر دیتے تھے۔ ہندوستان کے کھال دیکھ کر "لی ٹی فون" سونری گاڑیاں اگر غریب کی تھیں تو سڑک کیسے ہو گا۔ جھکری کیسے چلے گی۔ کیا وہ ہے کہ ہمارے کوڑا پی اٹھیں؟ گئے جاسکتے ہیں۔ اور ان میں اتنا بڑا کوئی نہیں جتنے امریکہ میں ان گنت ہیں۔ دوسری جنگ کے بعد امریکہ میں خوش حالی کی انڈیا ہوئی۔ حکومت کی دہلی بیل ہونے لگی۔ ہر میدان میں امریکہ نے دنیا کو چھپے پھرا دیا۔ سامنے دوس کے جو کچھ دست ملک ہے کوئی اس کی فکر کا نہ رہا۔ اور جہیں اور دس امریکہ کیلئے غلو بن گئے۔ انگینڈ اور پ سے تو امریکہ کو کوئی غلو نہیں۔ جو دم تھا، نظر اور موسیقی سے نکال دیا، جو ملک فرانس اور انگینڈ وغیرہ کے غلو سے نکلے وہیں کے غمران جیتے سے امریکہ کا پاراد چھو جس میں کیونٹم ٹاک اڑانا رہا۔ کوہا اور دست ہم میں امریکہ کے دست جیتے ہی بڑی جیتے گی۔

انگینڈ کے پاس فرانکو کیلئے سے سمجھا ہوا گڑا تھا۔ جو جنگ میں آگے آگے گولہ باری کا فائدہ لیتا تھا۔ امریکہ کو اپنے ڈالنے بیچہ ہے۔ مگر اپنے جیت کے فوائد انکار کر گئے۔ وہ سہا پہر جیت اور نگہ جو گئے ہے۔ امریکہ بھی ایک عجیب و غریب ملک ہے۔ وہاں کوڑا پی بھی ہیں جو اپنے ملک میں نہیں سے بچے کیلئے دوسرے گھن میں بیٹھنے کے طور پر جیتے ہیں۔ عام طور پر ہمارے ہونے

اول بات تو یہ ہے کہ پہلے ولایت والے ایک دوسرے کو کھینٹے رہے۔ اپنی رعایا کو کھینٹے رہے مگر وہاں بدولتیں شروع ہو گئیں۔ حکومتوں کے تختے الٹ گئے تو ہمارے ملک دریافت کرنے گئے۔ ان ملکوں کو کھانا ہندوستان کو بھی کھانا مگر ہندوستان نے کسی کو نہیں لوہا۔

"ہاں یہی بات تو ہے۔"

"مگر جب سے انگلستان کے قبضہ سے یہ ملک آزاد ہوئے ہیں، انگلستان کی دور رس وہم ختم ہو گئی کھینٹ کیلئے کوئی ملک نہ رہا۔ اس جنگ نے تو بالکل ہی طبع غریب کر دیا۔ گھڑے اگر نہیں کا۔"

"مگر امریکہ؟" بچے غور سے دلی ہو گئے۔

انگلستان نے امریکہ دریافت کیا۔ پہلے وہاں دو لوگ کیسے جنہیں کالے پانی کی سزا دی گئی تھی۔ امریکہ کے اصلی باشندے دیہاتیوں سے ان کی بھتیاں ہو گئیں۔ بہت ہی طرح سے مگر انگلستان کے پاس جھپٹا رہے۔ اس نے اپنی فوجیں بھیجیں۔ اور سارے عہد کے پریشان ہو گئے، تنگ امریکہ کی طرف دھڑپے۔ دیہاتیوں سے ملک جھین کر قبضہ کر لیا۔ انہیں ہمارا کر ختم کر دیا۔ آج دو لوگ غمزدہ ہیں، ہمارے کوئی پائپ کی طرح رہتے ہیں۔

"سے تو کیا امریکہ اگر نہیں کا ہے؟"

"مگر اگر وہ ہندوستان نے امریکہ پر قبضہ کیا تھا۔ انہوں نے اگرچہ حکومت سے بدولت کر کے آزاد ہو گئے۔

مہادی طرح؟"

"بالکل عادی طرح مگر امریکہ کو سب سے عہد ملے۔ بلکہ ہر پ کے فقیر اور ہمارا بلکہ وہ افریقہ کے کالے لوگوں کو بکھلائے۔ ان کالے لوگوں کو وہ بالکل جانوروں کی طرح دیکھتے تھے جیسے کتوں کو داب دیتے ہیں، نگہ لوگوں کو دانہ دیتے ہیں اور ہر وہی محنت لیتے ہیں۔ بلکہ کتوں اور گھوڑوں کی حالت ان سے بہت بہتر ہے۔ ایک تو بہت سے آہاتے تھے، دوسرے تھے اور گھوڑے جیتی ہوتے ہیں ان کی

کے لیے ایک دن ایک میز پر دیکھی اسے بھی۔ میں نے ہی ہمارے ڈائری لکھ دیا۔
 کیا جانے کچھ کیسے پھرنے کیوں کے اشتہار اور اللہ بھی تو یہ کچھ کیسے مہوں کو
 چاہنے کے کر کہ چھوٹا ایک بھی کان بکھڑے۔ کہ ہمارے اب انگلہ موچا جس ننگے
 کپڑے لٹائی ہے کیا۔"

مگر امریکہ کی مادی عورتیں بھی نہیں وہ بھی تو ہیں جو بڑے بڑے دوسری
 کے صدمے سنبھالے بیٹھی ہیں۔ سائنس اور میڈیکل میں ایلمینٹلک میں علم دلوں
 میں۔"

"اے۔ میں بس رہے ہوں۔ ہم نے تو بس کچھ ایسا ہی "سینڈ پمپکائی" ڈاڑھی
 دھجی پکائے انگریزوں کی "چھاپلی کٹی" دیکھی ہیں۔"
 "تو مجھے تو غیر ملکی مادی فحش دیکھ کر بھی کئی کتے ہوں گے کہ ہندوستان
 میں بس مٹی مٹی لڑکیاں جنگوں میں لڑیوں سے پھیل گئی ہیں اور مٹی
 اب تو ہماری میزوں میں بھی خوار کے فضل سے لگی ہوئی ہیں۔
 دیکھو تو سڑک پر کتنی کتنی لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔" ننگے غلامے دلی ہو گئی
 کے کان پر ہوں نہیں دیکھتیں۔"

"وہ گھنٹنی اور گھنٹی ہوتی ہیں برائی اگر پینٹ اور سڑے دار ہو تو یہ ہی تو ہم
 دیکھ کر لگتی ہے۔ اور اسی لئے یہ برائی لگتی ہے۔ امریکہ سے بھی ہر جھلکی برائی
 لگتی ہے وہی وہاں بھی لگتی ہے اور یہاں بھی برائی لگتی ہے۔
 پتا ہے۔"

مگر ولایت اور امریکہ میں تو یہ ہے۔ میں۔"

"امریکہ اور ولایت کا پتہ بھی اسی لئے دیا ہوا ہے۔"

"وہ لٹ بٹولنے کے لئے اپنی لہجہ بڑا کر بیٹھتی ہیں۔"

"نہیں وہ سواں کی لہجہ بڑا کرانے پر لگ جاتی ہیں۔"

"مگر کوئی اللہ کا بندہ ان سے یہ نہیں پوچھتا کہ۔"

"میں کے حق میں زبان ہے ہر پچھلے لڑکیاں لڑتی جا سکتی ہیں۔"

نکلے ہیں ان کے پہلے پھیلے تھے مگر جانتے ہیں۔ اور کچھ نہیں ان نکلے کو جھپار
 خرچ لے کیلئے ڈ امریکہ کے آگے ہاتھ بٹایا ہی پتا ہے۔ مگر دوسری طرف عام
 اس پندرہ عوام ہیں جو اپنی صحت سے سوا اسے ملک کی دولت پر قابض ترقی کی ماحول
 لے کرتے ہیں۔ کوئی کسی کو قابض نہ جانے۔ انہیں تو اسی جانتے انسان کی ہے۔
 اس طبقے نے جب بھی کوئی فیصلہ کیا اس پر عمل کر کے ترقی کی نگاہ سے نہایت
 پائی۔ اور آج اس دیکھ لیں طبقہ کی ہر کیلئے ایسی پائی کا دودھ لگا رہا ہے۔ میں کو یہ
 اچھوٹے لوٹ کھسوٹ کر خاک میں ملا رہا۔ اسی طبقے نے دیت نام میں خون بھرا کر
 ہر دوش کیا تو اسی طبقہ کی حاکمی اور زیادتی کا احساس پیدا ہوا۔ اور دیت نام کی
 جنگ میں امریکہ سپاہی نے اپنے سے کمزور دشمن کے آگے جھپار دال کر آرمی میں
 ایک طور حال پیدا کر دی۔ امریکہ کا ہنری طبقہ ہے دست دیا ہو گیا۔ اسی طبقے نے
 نکلے کو ہر دے کر کے خوش سے خوش کر دے ہوا۔

یہ آخری لفظ میرے من سے یہ توازن بڑھ کر نکل گئے۔ میرے مسند جیوں
 چوک پڑی۔

"اے سوائے امریکہ جو ان بھی دیتے ہیں۔"

"جی ان ہی دیتوں نے امریکہ اختیار کیا ہے۔ یہی امن کے رکھالے ہیں۔
 اگر انہوں نے ایک دن فیصلہ کر لیا تو وہ ان اچھا دالوں کو بھی نکالنے لگا دیں گے
 جو اس وقت امریکہ کی سرکار ملتی ہیں وہ اپنے پیٹھے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا جب ایک
 کھال سکا ہوا انسان امریکہ کا صدر بن گیا تھا کہ ابراہم لنکن کی عظمت اس کے
 بکے چٹل میں نہیں اس کی شخصیت اس کی ذہانت "دانتہ اری اور عوام دانتی میں
 تھی۔ آج صرف گھنٹنی دانتہ گھنٹنی کی سب سے صدر کی کرسی پائے
 ہیں۔ ایک دن تھا کہ امریکہ سب سے کامیاب اشتراکی ملک کا درجہ رکھتا تھا جس کا
 نام صرف جمہوریت تھا۔ مگر غلام کے خلاف تقریباً ہر انسان خوش حال تھا آج چند
 منٹ خوں نے امریکہ کو پتھر میں ڈال دیا ہے۔"

اسے میں تو یہ کچھ "امریکہ ہونے لگے" ہے شرم۔ اسے انفعال میں کے خیر

ہے سونے کے ٹکس کس نے چھانٹے۔ سونے کے دروازے قفل کے کار چابی حراز
پاشی بھول جاتی سورتیں کس نے جانیں؟ یہ انی نگاہوں نے چھانیں نہ ہے
کوئی جہر ٹرسے دنیا کی نصیحتیں مانگتے ہیں۔ اب آپ نے دیکھ لیا ہے نا خواہ
کے لئے۔"

"ہاں احمالی ہزار دہے تکی ہوں۔ جب چہ دے چہ ہزار انشاء اللہ بھیج دوں
کی تو دیکھ چہ ہانے کی۔ بھولی دیکھ لی ہے بولی تمہیں میں چہ حق ہے۔"
"آپ جانیں گی ایک چھانے؟"

"نہیں بھری ضرورت نہیں۔ ہمار صاحب سب انتظام کر دیں گے۔ میں تو
انگے میںئے انشاء اللہ شاربہ چنے کے پاس چاری ہوں۔ وہیں سے راج بھی لٹھ کے
کرم سے ہو جائے گا۔"

"شاربہ سے تو ہدیہ دیکھ کے باقی مددیں بھرا لیگیں گی۔"
"ہاں کچھ شربت بھرا دوں گی" امیر سہاں کی تو کرسی کیلئے تو دیکھ کی منت باقی
حق انہوں نے دعائی ہزار کیسے "باقی میں جا کے بھیج دوں گی۔"

"مٹھ مبارک کرے۔" امیر میں نے سہا خواہ بھری کیا نہیں گے۔ میں امیر
مٹی تو آئندہ ہانے کا فریہ سارا سطر کے ہے۔ وہاں پھولوں کی ہمار میں کیاہ مددیں
طریق ہانے ہ سطر نے دے۔ اڑکی پاس میں قفل سرچ رہا کہ درگاہ میں داخل
ہوئی۔ زمین تو سہ کی طرح جل رہی تھی اور مجھے دوزخ کا خیال ستا رہا تھا جیسی
بھوسے نگاہوں کی سزا لے گی۔ ہمار حراز چہ چھانے وقت میں نے زہر لپ ٹواہ
سے در خواست کی کہ یہ کیاہ دوپے پھولوں کے سطر کے حساب سے میں بیج کر
لیں۔ ویسے تو وہ غیب میں ہیں مگر انہی خیر کار جو بلا کر لے کیلئے عرض خدمت ہے
کہ بندی کے چھانے میں بھول چکے سے کچھ نہ کیا تو۔۔۔ تو کچھ زیادہ فوری تو نہ چہ
گا۔ ایک آہہ انجھادی ہی لٹھا ہوا ہے گا۔ دوزخ کے پلہاتے ان شعلوں میں حقیر مارا
بجھا ہوا کچھ کا انکار کوئی ساتھ مارے گا۔

نہیں سولا میں جنت میں دودھ کی نہوں اور دھوا کے عمل کی مسجد وار نہیں

"نہ کیلی تھے۔"

"سب کھا لیا ہیں۔"

"اے بس بھرتہ اس قسے کو ہم پو گیا۔ ہاں وہ بات تو ملی ہی گئی۔ کہیں
کی علی گڑھ بھرتہ پور نہ کہیں بیٹھا ہے۔"

"ہاں بس بیٹھا ہے۔"

"پھر کیا ہو گا؟"

"دو ہی ہو اور کیشنوں کا ہو۔"

"میں چہ بھتی ہوں یہ کہیں کوئی ہی بات معلوم کرنے کے پڑا ہے انہم
نہیں ہے معلوم ہے یہ سب مانے کے طریقے ہیں۔ دنیا میں کوئی جنگ مذہب کے
لئے نہیں لڑی گئی۔ ہر جنگ میں ذہنیں چہ جنت کا سوال تھا۔ آج بھی ہندوستان
کسی دہ سربے ملک چہ جنت تو نہیں کر سکا اس لئے اپنے ہی ملک کے گزروں کو مار
کے لیگیں بھرتہ لٹھا ہے۔ علی گڑھ میں وہ زمین جہاں غریب مسلمان رہتے تھے اور
ہر گز رہتے تھے بہت قیمتی تھی بہت کما لٹھ کے بندوں نے بیچے سے انکار کر دیا"
اس لیگیں لی۔"

"بھلی تو نہیں۔"

"امور پھینکے دانے کے سرچ بیگ ہوتے ہیں۔ مار دھاا کے بعد اور بھی
آسانی سے جگہ مل جاتی ہے۔ چنے کیسے گھر بار لے لے چنے کر ہاگ جانتے ہیں۔"
"امور اپنے ٹکسوں میں جانتے ہیں جہاں ان کی اکثریت ہو مار مٹھو رہیں۔"
"مٹھو خاک رہیں ہاں مارنے والوں کو آسانی مل جاتی ہیں۔ سب کے
سب ایک جگہ چہ جوں کی طرح مار لے جاتے ہیں۔ جیسے یہودی ایک جگہ مل کر
رہتے ہیں نا انہیں بہت آہستہ چکا کر ایک جگہ بیج کر کے مار لیا گیا۔ وہ ایک ہی
بات ہوئی۔"

"خدا کچھ ان ظالموں سے کہنے چاہیں ان کی بہت سزا۔"

"خدا ان ظالموں کی غلطی میں ہے۔ ان کی مسجدوں اور مندروں کی بنیادوں

کے باہر دیکھتے تھے۔ عین میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں۔ ہر جیسے میں نکلوں سے لو بھل ہوئے والی ٹوپی پہن لوں گی۔ کوئی مجھے نہ دھمکے سکے گا۔ میں کسی کے ہاتھ نہ دوں گی۔ مگر ہر ایک دم مجھے ایک عام جوڑی شہری کی بات یاد آئی۔

”میں چپ رہی۔“

سب سے پہلے انہوں نے کیا سنوں پر حملہ کیا۔

میں تو کیہ سنت نہ تھا۔ میں چپ رہا۔

پھر انہوں نے تڑپ بونٹیوں پر چھاپ مارا۔

میں تو تڑپ بونٹیوں میں نہیں تھا۔ میں چپ رہا۔

پھر انہوں نے سودیوں پر ہاتھ صاف کیا۔

میں تو سودی نہیں تھا۔ میں چپ رہا۔

پھر انہوں نے کیسٹو لک پر چوٹ کی۔

میں تو پروٹیکٹ تھا۔ میں چپ رہا۔

پھر انہوں نے میرا ورداؤ کھٹکایا۔

اس وقت تک سب وہاں بند ہو چکی تھیں۔

کوئی بولنے والا نہ بچا تھا۔



کہ مجھے فنی دعوے ملائی نہیں آتے۔

”ہاں تو میں آپ اچھوتوں پر بھی نہیں بیٹھا ہے۔“

میں تب کہ تو دھم کا مرض ہے۔ آپ تو بشاؤ اللہ چٹ کھنڈر لطیف ہیں۔

چٹف انہیں چاہت تھا۔ میں اور اس سے پہلے مولانا تزاو تھے۔ ڈاکٹر ڈاکٹر نہیں تھے

اوس۔ ہر گاہ بھی قی تو۔۔۔“

اور عجب افریقہ پر نہ اُجاسے کہیں بھول چک ہو گئی۔

”ایک بات بتاؤ میں یہ بیماری پاکستانی ہیں یا بلکہ دہلی؟“

اسے بھی میں اللہ باری کیا جانوں کون کون ہے سب اللہ کے بند سے ہیں۔

مگر میری طرف متوجہ ہو کر بولیں۔ ”کیوں بیٹھا ہے تو کہو نہ کہو ہو گا ہی۔ ایسا کہے

ہو سکتا ہے کہ جس۔ کوئی اندھیرا ہے؟“

”اسے لوگ ہیں ہی بات کا جھگڑاتے ہیں اللہ نے چاہا تو کیوں کی وجہ دت

تھکتے ہی صدمہ کا صدمہ اور بڑی کا بڑی ہو جائے گا۔“

”تمہارے عین میں بھی شکرا۔“ وہ لوگ اپنے اپنے چوڑی پر اطمینان طاری

کر سکی کو خوش کرنے نہیں۔ اتنے میں کسی نے بھارا۔

”آئی؟“

”جی“ یہ اختیار میرے حق سے تھا۔ پر ہم گھر کو چار میں سب حق کہتے

ہیں۔ گوشت کھانا ہے اسے دوا پر ہی دیتا ہے۔ میں نے اسے بتایا۔

”سور الہیہ نے کی تھی۔“

”کہیں ہیں سڑ؟“

”رات بھر بے کو غار رہا چکی دہلی ابھی صلی ہے لوھر کہا رشت میں۔“

اور لوھر کی باتیں کر کے وہ گیا تو دونوں چایاں مجھے فنی نکلوں سے دیکھ

رہی تھیں۔

”آپ کھ ہیں؟“

میری سمجھ میں نہ آیا کہ اپنے وجود کا اصرار کس فرق پر تھوچوں۔ میں کوئی

مگر جب رنگ اٹھا تو چہرہ طبع روشن ہو گئے۔ ایک دھماکے کے ساتھ وہ غلغلہ مچا رہا تھا۔

کہیں یہاں ہاتھوں کے سوا ہی چٹا کھانچ تھی۔ شاید بھی بھر میں کے سر پہ چٹا دی جاتی۔ جہاں ہاتھوں کے منہ لانے کیلئے لور اور خون بہنے لگتا۔

مگر یہاں ہوا میں کچھ نہیں تھا۔ موتی دل بہا رہا تھا۔ ہری کی تانکھ دھماکا نہیں کھاتی۔ بھیگی کی میل بھی تانگوں پہ سرسبے دوڑنے لگی۔ کچھ کچھ موتی خاتم نے فوراً بھانپ لیا کہ موتی کچھ میں تیار ہے۔ انہوں نے اشارے سے بھی کہا اس بلایا۔

لوڑیوں کی لڑائیوں کی کھلی بندھ گئی۔۔۔ اب خاتم جگ کر سلیم شاہی جاتی انہوں کی لور پھٹتی پھٹتی کر کے بھی کا بھٹا دھان دور دھان پھٹک جاتے تھے۔۔۔ شاید پھٹے پھٹے اس کے جھٹ میں لات داریں گی۔ خاتم کی لات میں مٹی گھڑی جیسا دھان تھا۔ لیلہ کے چوڑے ہی گھڑی کی لات چلی تھی جو لوٹ کے اگلے دست آئے کہ وہ بیل دی لٹھ میں سے پھٹ گئی۔

مگر خاتم صاحب نے نہ مٹی گھڑی والی دھاتی بھاڑی نہ زرہ سلیم شاہی سنبھالی۔ وہ کھلی تانگوں پر سونے کے تانوں کی ٹانگی دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ ہر انہوں نے اسے سب جگہ سے لپٹا لٹا۔ سب جگہ جگہ جو ذکر تھوڑی سی مل کی رقم سے تحفہ کیا۔ جواب ہاں جواب ہاں!

خاتم کے ہاتھوں سے نہ جانے کتنی ہاتھیاں کٹ چھانٹ کے بعد مس و بھائی کے سر پہ بھی کر جواب صاحب کی سچ کو کھانا بھی تھیں۔ کیا سر کے کی ٹانگی پٹی تھی۔ جھٹ کی لور کھانچا کھانچا پٹی تھا جسے میں بھانپ پٹی تھیں کہ کونہ میں پہنسی برائے دی ہے یا کونہ چپل پر ہمار دی ہے۔ آپ کل سے یہ تو صورت خلق ہے۔ کونہیے مگر "سید" ہاند "پندلیاں" داریں مگر۔۔۔

میں کے خاتم میں جیسے چارہ رہا ہائی جاتی ہے۔ ہاتھوں اسی طرح خاتم کی نگاہوں کاغذ پر کام کر رہا تھا۔

ہاں! اب یہاں سے اصل کہانی شروع ہوتی۔ خاتم صاحب نے نرسوں والی کو

طلب فرمایا۔ اسے لیبارٹری میں حمام چار کرنے کا حکم دیا۔ پہلا بچہ تو بھی کے ہواں بھرے سر سے نکلا کر دیا۔ اس کا جان فوراً چھٹی سے کھڑا کیا۔ شگفتگی ہال کرنے کے بعد بھی تلو سے پھٹی ہوئی کھیں ہاتھوں بھی کی طرح سخت ہاتھ جھٹ ہوئیں۔ دھماکے کر بھی پٹائی پر پھینک دی گئی۔ آنکھیں اور ناک کے نیچے چھوڑ کر اس کے بدن پہ کوئی کھنک رنگ کا لٹاپ دیا۔ ساتھ ساتھ بھانپ دیا گیا۔ ہر اسے کھٹاتے ہوئے پانی سے دھوا گیا۔ اس کے بعد کونہی چڑھایا گیا۔

بھی چپ چاپ سسکیں لیج رہی۔۔۔ خاتم صاحب اس کے کھٹنے کا دی ہیں۔ ساتھ لگا کر پھوڑیں کی ہمارے ہتھوں پہ چھوڑ کر اچھیس پہ پٹکا جانے کا ہر کون کو کھٹا جانے لگا۔ ہند بھر بھی دھاتی دی پھٹتی رہی۔ اس کی نرس نرس پھوڑے کی طرح جھٹکی رہی۔ دو دن عمار بھی چڑھا۔ ہر پٹ پٹ سے ہر مرم چڑھ جانے لگے اور بھیگی کی ٹیس کم ہو گئیں۔

ہند بھر گزرنے کے بعد وہ ہاتھ پائی میں پھرتی ہوئی کھول کی کھول کی طرح نکل آئی۔ اس عرصے میں اسے دو دو لور شد کے ساتھ کھانے پینے کا نہ تھا۔ بھوک کے مارے وہ بھلائی دھاتی مگر کونہی شواہد نہ ہوتی۔ مٹی بھوک کی دھاتی لور پھٹتی کھانے والی کا بیڑوں لور شوروں سے کیا بھٹا ہوتا۔ دس بارہ لور اسے ایک سال میں صاف کر جانے والی سوئے کی ایک کاش سے کیا۔ ایک دن وہ چنگے سے شکاری بیٹھ میں کھتی کھتی لور لٹا پھڑ بھڑ کے کھانچا کہ تین دن تک دھتوں کے مارے پھٹن ہوا کی۔ ہر اسے سسک دیا۔ کھٹے کھٹے شواہد سے لور بھٹتی پھٹتی گئیں اور پھٹوں کے دس طع میں پٹانے لگے۔

چھ مہینے بعد خاتم صاحب نے اسے اپنی قہر لگا سے جب لٹا تو وہ چھ سال کی ہو چکی تھی۔ اس کا رنگ کافور کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ ہال کھٹوں کو پھوڑ لیتے اگر کم دھان نہ ہوتے۔

اب انہوں نے اسے زخموں کے نعل میں ادا کر جڑی بوٹیوں میں بہانے ہوئے پانی سے با دھار دھوا۔ صاف کے بھر صرف پانی کی دھار سے نعل کی پھٹائی

بھرانے میں جو محنت اور وقت صرف ہوا اس کا کچھ حساب ہی نہیں۔ ہر گھنٹہ ہر
 منٹ اس کے ایک ایک پہلو پر مل کر چڑیاں بھرتی تھیں۔ زمانہ بال سوچنے سے
 اٹکا نہ گئے۔ ہر اسے چٹیلوں پر چپکا ہوا گورے دھلے نہیں سکھ کا آڑا پایا اور
 خیم کا درکار کرتا پتلا کیا۔ اس کے ہاتھوں کے پھلے ستارہ کر کار پٹی ٹوٹی نکلی گئی۔
 موتی جڑی چوڑے گریبان کی صوری اور سکی سو جڑی پستانی گئی۔

بہب بھی پھولوں کے گہرے لے خواب بیکم کی خواب بگم میں پہلی تو وہ نہ
 ہیں نہ بھیں۔ "میں گم سم تھیں گئے" کہتی تھیں اسے بکھتی رہیں۔
 "خفت خواب"۔ جی مشکل سے ان کے ہونٹ سسکی میں چلے۔

گہرے کے بعد بھی نہ وہ زانو ہر کر گھوں کا قاتل لب سے جڑی کیا۔
 کاپچے ہوئے سے سے سے ہاتھ۔ انہوں نے سونے کے پھولوں کو پھولا۔ کبھی
 پر سوراخ ہوا سارا ہوا تھا۔ کئی کئی بجتی ہوئی رشاد کے بھورے قی کو چو سنی
 ہو تھوں پر کاپچے گئی۔ چکا سا گدا اور انہوں نے کبھی میں سونہ پھولا کر ایک تو
 بھری۔

"ہاتھ ہو۔" انہوں نے تھوڑا کھنٹا لی۔
 کئی کے ہاتھ سے پھولوں ہر قاتل بھوت چلا۔ خاتم صاحب نے جھک کر
 اسے تھوڑا دیا اور وہ بھر سے چڑھ گئی۔ اگلی کے اشارے سے انہوں نے اسے
 دھکیں کیا اور پھل اٹھائے تھیں۔

"ختمور! خاتم صاحب نے خواب بیکم کی چوٹیلی سے لٹ جاتی۔
 "خاتر ہو۔" خواب بیکم جھک چیں۔ مگر خاتم صاحب قاتل نہیں ہو تھیں۔
 دھکی پٹی پر ٹک تھیں۔ اور ہوئے ہوئے بیکم کی پڈلیاں سوچے تھیں۔ خواب بیکم
 سسکی رہیں۔ انہوں نے پاؤں جھک دیے۔ خاتم صاحب نے زندگی بھر پھل کے
 نیچے سہرا کر گزاری تھی۔ وہ بھی وہیں۔

"کوئی سے خطا ہوئی تو ہی۔ ہم ختموں ہاتھوں کو ہم دیکھ کر کل سرائے
 کے ختموں سے ہاتھ کر سرائی کئے پتھر دیکھ جاتیں۔" خاتم فرامیں تو جاتی کے

ختمور نے میں سم چٹلی کی کئی نہیں۔ ایک ہونہ اس زمین کے ہونہ کو "دراغ میں
 بھرتے گئے کے کالی ہو گئی۔"

بیکم خواب سسکی رہیں۔ پاؤں نہ بھٹکے۔
 "کچھ شہر ہوا تھا خواب بیکم اگر جان کی لہن پاؤں تو عرض کرلوں؟"
 بیکم خواب کی سسکیاں خول پکڑے تھیں۔

پتھر ہر س پہلے۔ خواب ختمور کی بھولی بات تھی "وہ سائیس گن رہی
 تھیں۔ کل سرائی ختمیں وہ سرائی تھیں اور خواب بیکم کی دھڑکی ہوئی بغیریں تھوں
 کے سارے شعبہ سے پچھلے چپکے تھے۔ خواب بھلا انہیں بھک کر اور کبھی سونہ کا
 مزہ دے گئے۔ خوں پر خوں سے بے سونہ تھے یہ عربی چاہتا سونہ مار لیتے۔
 انہوں سب بڑب کر جاتے۔ کئی قاتلی سامنے جتی جاتی "وہ چار سینے میں اس سے بھٹ
 میں اچھا پیدا ہونے لگے۔۔۔ کبھی ڈاکریں آتے تھیں۔ فوراً" وہ سری دلش کا
 انتظام ہو جاتا۔ خواب بیکم کو اس بات کی کوئی شکایت بھی نہ تھی کہیں کہ تواریوں کا
 بیک دستور ہوا کر آقا خدوین کے دھڑ بڑ گوار کے قاتل دھن میں تو دلایت تک کے
 عربی تھیں آتے جاتے رہتے تھے۔ دھڑاؤں میں ان کے ٹیٹ اور پٹی کی دھاک
 بھگی ہوئی تھی۔ ویسے ان کی سونہ چوڑی جھٹی حلو سونہ کی کیا سہرا کہ کو ہو وہ چ
 بھر ہوا کسی کو نہ ہو سکا۔

مگر خواب بھلا تو کھنٹ کی پٹ تھے۔ ان کے سب امانت کی حدوں کو پار کرتے
 ہوئے چار پر بیکم کا خون کھول چلا۔ خواب بھلا اڑ گئے۔ وہ بھی اڑ گئیں۔ بیکم تھے
 کھوار پر اڑ آئیں اور ان سے ہوا کر لیا۔ اب وہ ان کی خواب بھک کی طرف نہیں
 بھٹک سکتے تھے۔ ویسے بھن مجلس کے سونہوں پر وہ جڑی جڑیں دھکیں سے ہوئے
 جاتی گھڑوں کی طرح۔

خواب بھلا کی بھٹی سے۔ وہ اڑ گئیں تو پتھرے ہزار میں جا تھیں۔ انہوں نے
 اور کھنٹ کر گئے۔ بہب تک وہی جسم ہوئی جیش بارگ میں رہتی۔ جہاں وہی ہوئی اور
 جی سے اتنی "کل سرائی پٹھاری جاتی۔ تھوڑے دن پہلے کھنٹ کی کل کھنٹ بھر پھن رخ

کر چپ ہو جاتی۔ بیکم کا رجب اپنی جگہ۔ وہ اتنی کلن کی فرست میں داخل ہو کر
کل کے ایک کونے میں اپنی پہنٹی سی دنیا بٹھاتی۔ بیکم کی دوسری کے دن پورے
ہو جاتے اور وہ بھی آہٹاتی۔ اس کے بعد اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ ویسے
تو نواب بدلو کی بھوئیوں پر ساری رعایا چلی تھی۔ مگر ان کی رعایت کی صورت فوراً
سات گھنٹوں میں قید کر دی جاتی تھی۔ رشتہ دار ملے تھکتے تھے کھانے پینے کی اطراف
پکڑے بغیر کے انہار۔ لیکن سو کی وہاں تک سے محروم۔

بکھی بکھی کسی پرانی پوری کی گول بات باز آہٹاتی۔ نواب بدلو اسے فوراً
طلب کر لیتے۔ مگر وہی کے خوشی سے ہاتھ پر پھول جاتے۔ باقی بد نصیب اسے ہی
فمن کر پا کی ہانسیوں میں جانے کی چاروں کرتے دیکھیں تو انہیں ہسٹیا کے دورے
چ جاتے۔ اور خادم صاحب اپنا طبعی صندوچ لے کر دو کو دے دیتے۔

بارہ نواب بدلو نے پوری بیکم کو بھی دعوت بند بھیجا۔ مگر حور سے اپنے
جو صاحب کے غم پر وہ جی پابندی سے باری باری سب بدلوں کو ان کا حق دینے کو
چار تھے مگر پوری بیکم نے نہایت گستاخی سے اپنا حق کھرا دیا۔ انہیں برس کی بھوسہ
سکھتی ہوئی کا پھاڑا کھانے دینا پڑی بلی ہادی جس کے غصے سے بدلی غضب طعش
دلا دیت جاتے سے پہلے کار و کار کی دھن میں ریاست میں آنکھ۔ دلو کے پہلی
تھے۔ تین سال پہلے تھے۔ جو پخت واقع ہوئے تھے۔ نواب بیکم کے چنگہ چلا
دیتے۔

کیا لگاتے۔ منکھ دت تھے وہ بھی! دھچکا چلائی ہو رہی ہے سناگ بھرے
چارہ ہے۔ تپا دھاتی مار کھائی سے بھی مار نہیں۔ بھئی ہے کہ بہتر ہیں کہ لونی
پڑتی ہے۔ نواب بیکم کی ساری بے رقی بھولا ہوا غلب ہو گی بھین بوت کر نکلے
گاہ۔ بھوڑے بھوڑے کھانے ہوتے۔ چار نو بھوں کو غم روا جانا کہ وہ ایک دوسری
کو لگے۔ جو بیچے کی سونے کا کڑیا جلا دیکل انعام میں پائے گی۔ اور پٹی چٹھی
نامرلوں ایک دوسری ہے وہ کھسک جاتی کہ پختہ پختہ آلو لگتے لگتے۔ پکڑوں کی
دھجیاں اڑنے لگتیں۔ لودھان ہو جاتی۔ انہام کار جسم پر بس پاجامے کا تیش اور

پا بھوں کی سوریوں کے چھلے چڑے رہ جاتے۔ ہر پار بیت الہ دلو کہ سب کو انعام
دیتے۔

جب غضب مہاں بننے پر آتے تو انہیں وہی دنیا کا وہی نہ رہتا مگر چڑتے۔
بہت فوادہ بننے پر بیکم نواب کے لوہے اٹرتے بھی بائیں ی گنڈ ہو جاتے۔ پوری
مشکل سے بیکم ان کے پر ہاتھ کر جاتیں شرفی شرافت تو ان کی عادت تھی۔ بچے
ی تو تھے۔ اور اراسی سو بھیں پہنٹی ہیں۔ وہ بھی شاید بار بار سو نہنے سے۔
سر پر آنج تو لا کر کھا ہوا تھا۔ بائیں صوں کا کپا سو مارے باہر تھا۔ دانت نکپا کر
نواب بیکم حورے لگے پکا کر پا داتیں بک لکھا ی میں سر کو اٹھتے ہیں کہ ہانک
دے اسنے! یہ کھیل صاحب دلو نے آگے کھول کر سب ی کو کھیلنے دیکھا تھا۔
باندواں انہیں میں لوہتیں کھسکتیں باہر تو کر چاکر کسی کھلی ہائیں رستے۔ آتی جاتی کا
بکنا بھرا! کلہ لونی لہا! مگر کھسکتی۔ صاحب دلوں تو انکھ تھکت جنت کر پائی
جاتیں ہاں نو بھیاں گوری میں جھکڑے سکھا دیتیں۔

وہاں دیکھنے نوکے دلا کون تھا۔ غضب طعی کوئی گستاخی کر بیٹھے تو نو بھیاں غصے
لگاتے لگتیں۔ نواب بیکم کا دم لوں پر آہٹا۔ بھی گڑبک دیتی! بھی جان بوجہ کر
انہاں میں جاتیں۔ مگر بھینا بھینی سے ہات آگے بڑھنے لگی تو وہ فوراً بندہ بندہ کر
سمت جاتیں۔ اور نواب دلا طاف ہو جاتیں۔ انہیں بے کاہدی سے سخت غرت
تھی۔ پوری کونہ سے میں لگ بگ میں ایک ہاں ہی لور کا لور ہو جانا تو بے کل ہو
جاتیں اور ساری رات لگتے پر سر جھٹیں۔ ان سے بھی کوئی طعش نہیں ہوتی۔ سگے
کی ہادی جس میں پھٹنے کی شہا نہیں تھی۔ مگر غضب مہاں غصے کل کے لوندے۔
دھڑ دھڑ پھٹے لگے۔ بھوک لگے کھانا پیاس لگے لی تو نیند آئے سوہاوا۔ انہوں نے
بھی سیکھا تھا۔ بیکم کی حد بدلوں پر ملک ہو گئے۔ کھانیں کھینچیں تو اگاز ہی بچاڑی
خلاسے لگے۔ چند صحابین کی راستے سے اور لور لکڑ کے کٹے پل دیے۔ بیکم کی
دنیا آڑ لگی۔ گل سرائیں موت ی ہو گئی۔ جاسوہوں نے خبر دی کہ صاحب دلو نے
چاندوں باندواں پر سوئی دلوں رہے ہیں۔ ایک عدد سوئی بھی کی صورت میں لور

کندھن کی کوکھ میں جلوہ افروز ہو گیا۔ ولایت جانے کا وقت آیا اور وہ رخصت ہوئے لیکن ہوائی ہمارے ملبے میں فتح ہو گئے۔ جگمگاتے برسوں پہلے پہلے ماتم کیا۔ اگر اس دن انہوں نے غلطیوں کو دیکھا نہ ہوتا تو شاید یہ سوئی اس کی چابی کوکھ کو برباد کر دیتے۔ یہ تو ان کی امانت تھی جس میں اب نجات ہو گئی۔ تو کیا بھی اس کی کوئی نہیں؟ کوئی رشتہ نہیں؟ کیا کسی کی مرنی جا کر دوسرے کے دوسرے میں لڑا اسے اتنے تو مرنے کے مالک کا اس پر حق نہیں دیتا؟ بچنے کے لئے انسان کیسے کیسے جھٹھڑے جاتا ہے۔ محرومیوں اور غلامیوں سے آزاد کر غفلت کی دانا بنائی۔ دھمی دل نے مرم چاہا اور ڈالیا۔ جیسے بھی اپنے ذلم کو مرنے کا کرچہ بھیسا بھانجی ہے۔

سوداگی نے سچا "آخر اپنا خون ہے۔ شکر چٹے میں پیچ کینوں مورچوں اسے کسی کرم کا نہیں رہیگی۔"

"ہاں اپنا خون ہے" نواب جگمگ کو یہ بات پڑی پادری کی۔ لوہے سے برسوں کی مٹی دیوٹی ستا چمت پڑی۔ انہوں نے بھی کو اٹھا کر پیسے سے نکالیا۔

جگمگ بادشاہ دہلی کی طرح بھی کے ہمارے جاگ اٹھے۔ بھی سے اسے غفلت پڑنا پڑا گیا۔ وہی بادشاہوں پر لگا اٹھا کہ اس کی گت چلا کرتی تھیں، اٹھا، چلتی چمبائے اس کی خدمت گزاریاں کرنے تھیں اسے نکلتی تھیں، نکلتی تھیں، نکلتی چلی گئی "نواب جگمگ کی رائے سے اسے گھڑا کی طرح سنا تھی۔ اور اس کی قسمت پر دلک کر تھیں کہ کاش صاحب دلوں سے اس کی ہاں پر صہان ہوتے ہوتے۔

غفلت پڑی اعلیٰ پڑانے پر تعلیم اور تربیت ہوتے تھے۔ طبع سکھایا جاتا۔ وہ بڑی مستعدی سے ہر کام پر جت جاتی۔ اعلیٰ طبقے جیسے گھاس میں غریبی خوش اپنے غبار کرتی تھی۔ حالی "کراحتی نکشتی۔" سچ حصار پر گل سرا سار دوسن جاتی جاتی۔ وہ بادشاہوں کے غول میں لی کر گل سراسر اٹھا لیتی۔ سداں میں بھولے پڑتے۔ دھالی پر چن انہیں ہوئے۔ محرم پر قوسے رکھے جاتے تھیں وہ بھی۔ رحمت میں انکویت بندوں کی تھی مگر سب ہی حصار دھوم دھام سے ستائے جاتے۔ نواب

صاحب ہر حصار کے جشن میں لانا "شریک ہوتے تھے۔

نواب صاحب کے جرم میں کوئی نہیں بادشاہوں کے علاوہ سزاوار ہوں بھی تھیں۔ ہر جگہ اس کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ شرع کی رو سے چار شلوہوں سے زیادہ نہیں کر سکتے تھے "جن میں سے نواب جگمگ کو وہ طلاق نہیں دے سکتے تھے کہیں کہ ان کے بھائی بہت ہارسر اور بیعت کے فیوض تھے "اس نے ان کے علاوہ بھی اور نکاح میں رہیں۔ سب کوئی کی دل میں بس جاتی تو عین میں سے جو سب سے زیادہ اعلیٰ تھی ہوئی اسے طلاق دے دیتے اور وہ دہلی لکھنؤ کل سراسر پانچاوی جاتی۔ اسے باہر جانے یا دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ دیکھو دیکھو پیسے کی انہیں کوئی کی نہیں تھی "بسی سو کی صورت کو دیتی تھیں۔ بزار بادشاہوں کے بادشاہ اور اور لکھنؤ لگانے میں بھی کامیاب ہو جاتی تھیں نواب صاحب کے جرم و رش کے سوا ان کے سوا ان کے حق کو بیعت پادری پادری سے بچتے تھے۔ دہلی جگمگ کا ایک بڑی کا باہر آجنا تھا۔ اس میں سے ہر توڑ پھڑ کریتے۔ پادری دہلی میں جاتی تھیں۔ نہ پادری ذرا کجی کرلی "اٹھ لکھ اس کی پادری گزرتے کویتے۔ نواب صاحب بے ہارے کو تو لیک طرح پادری نہیں تھا کہ کوئی سی نکاح میں ہے۔"

کسی بات پر اہانگ کسی کچیل پیری کی بڑک اٹھتے تھے تو نواب صاحب بے قرار ہو جاتے۔

"اسے بھی آج لوری کو حاضر کیا جائے۔"

"ہاں ہاں ان کو تو طلاق فرما دیجئے۔"

"ہاں نہیں۔۔۔ کب؟"

"سرکار! یہ تیری دنیا کے بعد جب لڑوؤں نواب سے عہد فرمایا تھا۔"

"اچھا اچھا۔" نواب صاحب کو یاد آجنا "موتی مٹاؤ نہیں" شک خوار تو

ہے۔ اور تک خواہ خوش خوش سوار نکلا کر کے آجاتی اور ایسی ہی چھاتی کر
اصل لوہا ہمارے غیر ۱۲ کو طاق دے کر اس سے دوبارہ نکال لیا جیتے۔ زیادہ تر
کانوں کی وجہ یہ تھی کہ سب کمزورت لوہا صاحب کو چرانے کے لئے لڑکیوں ہی
پیدا کرتی تھیں۔ لیکن چار لڑکے ہوئے بھی کہہ جاتے رہے۔

کل سراسر میں سب یہ باتیں ہوتے تھے کہ یہ صاحب شریف لاتے۔ وہ رہا لگا۔
انسان کے جسم کے جانتے۔ شخصیتیں جانتیں۔ اس دن ایک سے ایک چوہ چوہ کر
نکلا کر مٹی کی دیو نیم حضور اعلیٰ حضرت کے دایمى طرف جلوہ افروز ہو گئیں۔ جتنی
تھیں میں سے سب سے جیتیں دایمى طرف اس کے بعد سب درجہ بدرجہ شخصیتیں
جتنی سے پہلے چلے گئے فساد ہوئے۔ یہاں آئے والے دن کی چاروں میں اپنے
مرتبے کا بہت خیال رکھتیں۔ کبھی اصل لوہے کو یکے بعد دیگرے لیتی۔ کبھی ان سوتھوں پر
کوئی پانی پوری ایک دم سے لی گئے تھے۔ اور اس کا ہم ہر چار بیویوں کی فرست میں
آجاتا۔ پوری مقررہ کرنے کا کام میرے قانونی کے ہاتھ میں تھا۔۔۔ کہو خاتم صاحب پر
میں واردہ اور تھا۔ وہ اگر کہہ دیتی کہ میرے کسے میرے ہے تو یہ جاری کی بادی
غائب ہو جاتی۔ ان کے بھی سیکھنے والے کی ضرورت ہو کرتی تھی۔

پھر سے خیال میں ہمیں کی کتنی درد اصل ہوئی کے سوار سے شروع ہوئی یہ
ہوئی تھی بھی کچھلے سارے سواروں سے زیادہ شان دار۔ اس دھوم دھام کی وجہ یہ
تھی کہ ریاست میں کانگریس کا ایڑ 1935ء کے بعد سے بہت بڑا کیا تھا۔۔۔
کانگریس جو ہندی راج کا حکم میں دم کھے ہوئے تھی اور برقی راج کے فساد کے لیے
پھر میں سے لوہا صاحب بھی تھے۔ کوئی چٹا نہیں تھا۔ اس وجہ سے بھی کہ
خاکہ رہتے تھے۔ اسی کی خاطر شادیوں پر شادیوں کر رہے تھے اور ایسی خاموش
ہونے کی نسبت نہیں مٹی تھی۔ کانگریس کے زور کو کچلنے کے لئے ریاست میں جلد
مسلم کشہ کی کالچ ہو گیا جو فساد کے لیے تھی لیکن خود لوہا صاحب پر بھی فرق
ہوئی کی شہ چلنے لگی۔

لوہا صاحب قطعی فرق بہت تھیں تھے۔ انہیں خود ہی سنی سے ہی پہنچ
تھیں مٹی تھی وہ فرق بہت ہی کے سمجھتے میں چلتے۔ پنج رنگ اور دکھ سے اگر
کبھی صحت مل جاتی تو برقی راج کی صلاحتی کی فکر کر دیتے۔ انہیں ہر فرقے کے
لوگوں سے بے امتیاز تھا اور ہر فرقہ ان کی ریاست میں اطمینان سے اپنے دھرم
کا پالن کر سکتا تھا۔ مسلمان اور ہندو میں وہ کوئی فرقہ دیا نہیں دیکھتے تھے۔ دونوں ہی
ان کے راج میں قائل تھے۔ بلکہ ہندوؤں نے تو کہہ دیتے تھے کہ یہاں دایمى کی تھیں
مسلمان بے امتیاز تھے اور مجلس تھے۔ عہدہ داروں میں وہ انگریز کے بعد ہر اس
عہدے سے مرعوب تھے جو سرکاری قبیلے کا تھا اور پانچ کے بعد ان کی ریاست کی
قسمت بگاڑنے آجاتا تھا۔ محبت کے سوائے میں وہ امتیاز غیر چاہا دہے۔ یہاں
میں لاییت اطمینان مطلق طریقے سے انہوں نے بغیر کسی تفریق کے سب کو نوازا
تھا۔

کہو ہندوؤں نے کی کثرت حضور تھی کہ یہ نواز سوار تھا۔ نیو کے پہلوں دیکھیں
میں اہل کر رنگ تیار ہوا۔ اہل ملامتیز اور گھل چلے جیسے شکل کے قتلوں میں
بھر کر چوڑوں پر سجا دیا گیا تھا۔ رنگوں کی بھری ہاتھوں اور پانچوں اطراف سے
موتوں تھیں۔ کراہت چڑھے ہوئے تھے۔ طوائف بیکان میں رہے تھے اور کمار دایمى
میں دیکھ کر کل سراسر میں ہمارے تھے۔ ساری خلقت رنگ کھینچنے اور انعام لینے
کے لئے ٹولی پڑی تھی۔ کنبھوں کی ڈیڑھیں سہانگ بھرے ہاتھیں کائی پٹی آری تھیں۔
کل سراسر کے لپ و حق گمن میں ریاست کے اعلیٰ انہوں کی عورتیں شادی خاندان
کی ہو بیٹیاں ہوئی کھینچنے اور تو مل اڑانے میں مشغول تھیں لوہا صاحب بھی مصل
کی روٹی بھالنے کی خاطر تھوڑی دیر کو جلوہ افروز ہو جاتے۔ رحمت کے مائی باپ
تھے ان سے کوئی پرہیز نہیں کرتا تھا سب کو ہاتھ جوڑ جوڑ کر نکلا کرتے۔ رنگ
اڑانے اور انہیں بھی کھینچنے سے باز نہ آتے۔

ان سوتھوں پر لوہا صاحب دایمى کی فرست میں قائل رہے ہو کرتی تھیں لوہا
پنج رنگ کے سہانگ اور شکم بچھاؤ ہوئی۔ مقصد لوہا صاحب کی توجہ پانا ہوا۔ ایسے

ی ساقوں پر ڈال دیں کہ کچھ بچے کے ساتھ مار گئے تھے۔

روک روک کے پادرو بھی طرف گفتہ ہوا اس طرف ان تھیں میں علی بنی
بنک دی تھی۔ سوامی پچو اور گور سے کھینچے دلا بھی گی یہ پہلی رنگ پر گی مسکئی
ہوئی تھی۔ پندرہویں سال لگا ہی تھی مگر جسم کی اعلیٰ بل و سلی کا بھجنت نہیں
پائی۔ دھن سے کھینچے کڑے جسم سے ہٹ کر رہ گئے تھے۔ قوی و قویٰ فی اوج
اور قافیہ بھی لگا رہی تھی۔ نواب ہمدرد کے لئے پھر کے "پیش گوئی" ہائی گئے۔

نواب دیکھ گئے ان جلی جلی غلامی آنکھوں کی نیچت بچائی۔ نواب
ہمدرد کی نگاہ آنکھوں کی گلی پر وہ نکلا اٹھیں۔ انہوں نے ہنک کر قائم صاحب کے
کان میں بکہ کہ۔

اوج نواب ہمدرد نے ہنک کر نواب سرا کے کان میں بکہ کہ اور اٹھ گئے۔
جس دریا کے سر میں عرض میں مال بھلی طرارے پھر دی تھی۔ اس کے
اس پاس کے پانی میں کھیلے بڑک رہے تھے۔ نواب ہمدرد کی ہمدردی ہمدردی آنکھیں
دیں کھول دی تھیں۔ علی طرف گفتہ ہوا نے پیش دریا کے دو صحت اعلیٰ فدا کو
ایک دم بچھوڑ کر بگاڑا۔ نواب ہمدرد کی جسم تھائی آنکھیں ایک دم بڑک کر
کھینچے مارے لگیں۔ وہ بچھوڑتا تھا میں کہ میری میں بچتی ہی تھی؟ ان کا کام
دیں و اناست کے بچوئے سے اٹھ رہا تھا۔ اسی پہ طرارے کے کھلے تھے ان کے
شادی دستروں پر لٹکے تھے ہمدرد تھی۔ سب ہی کی ہی پڑھن کی ہوئی
(کچھن سرک فی ان کے حضور تک پہنچی تھیں۔

نواب ہمدرد پشیم پشیم ٹوٹے ٹوٹے ہوئے بے گریبان میں ہاتھ ڈالنے پر اس
نے چٹ سے ہاتھ پر پھیر لگا اور پٹکارے لگی۔

"واہ!" یہ اختیار ان کے ہاتھ سے نکلا سر سے بھی "اوج کو"۔ انہوں
نے مصائب میں کو دعوت دی۔ "تو اسے تو دیکھو۔" انہوں نے ہمدردی حرکت کی
اور گفتہ ہوا نے اپ کے ہاتھ سے ہوائی ٹپل کے ہاتھ پر دھوکہ۔ "بہ صاحب!"
مذاق ہی خطاب بھی طافا ہوا۔ یہ حرکت اب تک اس سے کسی موئے نہیں کی

تھی۔

مصائب میں کے دلوں کی حرکت بد ہوتے ہوئے تھی۔ مگر نواب صاحب ہمدرد
نے سر پہچے ہنک کر فرما بھی قصہ لگا اور مصائب میں حائل کی اہمیت کا بکہ گئے۔
نواب ہمدرد انا پنے کہ میں میں ہمر کی آنکھیں سوائی ہو گئیں۔ پھر چاروں طرف
سے ہاتھ پٹے لگے اور جوتی پر کھیں ہمدرد کرنے لگی۔ اس کی ہڈی قسم کی کانٹوں کو
سٹوں میں بھی جڑی کی عورت تھی۔ پھر وہ چلنے کے کوئی ہو گئی۔ "میں جانتے ہیں ہمدرد!"
اس نے فور سے اٹھن کیا۔

"سچا جھوٹو جھوٹ۔ اب نہیں بھڑکیں گے۔" نواب ہمدرد نے پٹکارا۔
"میں تو اچانک سے مارا ہیں۔" دل میں سچا۔

نواب دیکھ کھینچنے و لٹپٹ کی داغ برائی ہادی عمل سرا پر اس دی تھیں جس
پر ہمدرد چٹکا کھینچے میں نے اٹھن دیکھ رہا تھا۔ لوٹیاں پادروں کو گئے بچوں کی
طرح لڑوئی تھیں۔ قائم صاحب دست پرست ہمدرد کی طرح قدموں میں سرور گئے
دست دی تھیں۔

"کیسے گئے؟" انہوں نے قائم صاحب کی چٹنی موز ڈال۔

"میں عرض کروں" ایک ہنک تو میں نے دیکھی پھر جیسے علی کی کوہی تھی
زیر پٹنی لٹوئے جا گئی۔ بہ صاحب میں بھی ہاتھ اڑا اور اڑا لے گیا۔ کسی نے جان
بوجہ کر میری آنکھوں میں میری جھوٹا تھا اور ہمدردی ہوں عواس ہاتھ نہ ہو چائی۔
اور جب میں نے آنکھیں مٹ کر کوئیں تو وہاں بکہ بھی نہ تھا۔۔۔ اوج دھمی پر
کسی نے دھیمان بھی نہ دیا وہاں نہ بچکان نہ چائی۔"

"اب کیا ہو گا قائم؟" نواب دیکھ ایک دم برے لگی۔

"ہاں ابھی خبر لے کر آ رہا ہے" چھپیں ہو رہی ہیں۔ لیکن میری سرکار کبھی کی
میں کب تک خبر مٹانے کی۔ ایک دن تو یہ ہونا ہی تھا۔"

"یہ کسی دن بھی نہیں ہونا ہے؟" دیکھ مٹا اٹھیں۔

سونے کا ڈال فی بھی مٹا کی طرح چٹک رہی تھی۔ اس نے حاضرین کی حتم

انگوٹھیاں بیت کر چار چار ہر ہفتی تھیں۔ اب اشرفی کا تھیلہ ہوا تھا کھانڈیوں میں سے ایک اسے اشرفی پہنی بیکر کر دکھاتا اور جب وہ اشرفی لینے لگی تو پہلی کھل کر اشرفی کھانڈی کی گود میں ادب چائی۔ مٹی اشرفی کی کھنچ میں ہاتھ ماری اور منگھات میں حشرے ہرے قہقہے کو بٹھتے۔ وہ بڑی بڑی نیران آنکھیں کھول کر ہنسنے لگیں اور ہنسنے کے لیے ڈانٹ ماری کی سمجھ سے گویا نکل جاتے۔ وہ ناگہانی تو سارا لطف پیدا کر دی تھی۔ جب کوئی انعام لینے کا قصد کرتا تو وہ ہر کسی کی سہولت بخشی اور محض ہنر ہنر ہو جاتی۔

نواب بہادر تو دھڑی دھڑ بٹھارتے تھے۔ جب پہلے پھرنے لگی تو بچپن جلی بھیراؤ کے حشرے سہارا میں کوئی غول یا قھڑی بھیراؤ دیتی اور سرکاری دکان میں تیرہ اتر آتی۔ ہانگنے کا رنگ ان کے کانوں میں لوری بن جاتا۔ مگر توجہ مٹی کی شادیوں نے حاصل کی تھی نہ وہی دن بھر کی بھیراؤ ہوئی تو مٹی سرحدی کے پاس لگا تو پتہ نہ ہوئی۔

انگوٹھیاں مٹھائی بنانا چھوٹا تھا۔ ہار دہری میں ایک ایک کر کے سب مٹھیں مٹی ہر مٹھیں۔ مٹھیں ہر دے بھگت گئے۔ بھگتہ گئے ہو گیا۔ چھٹی نے دھیلی انگوٹھیاں کو گرنے سے روکنے کے لیے مٹھیاں ہاتھ کر تھوڑی کے لیے رکھی تھیں۔ نواب بہادر نے اپنا بھاری ہوش اس کی بچائی ہر دھر کے چکا چالا انگوٹھ ہارے کی طرح بے ہوش چلی دی۔ انہیں اس کی یہ گنتی بڑی پسند آئی۔ جیسے بھر کے انگوٹھیاں کھاتے تو بیکر کر بھوک گئے تھے یہ اسی طرح مٹی کی انگوٹھیاں کا ہاروں میں بھی پہنے گا۔ ہر سہ ہر دھر سے کئی گھنٹے پہلے وہیں سے ہر دھیر ہر دھر سے۔

دھیر کے مطابق اعلیٰ محنت کے بعد ہر ہارے سے پہلے ہی ہار دہری کی صورت بدل گئی۔ رات کے پہلے ہارے پہلے مٹی کے بھگتہ دے گئے۔ دھیر ہر دے ہار دہری کے ہار دہری۔

جب مٹی سر سے پہلی تک سونے اور جواہرات میں اولیٰ اکلیل میں اشرفیوں کے ڈانڈے اور چار چار انگوٹھیاں ہر دے نواب بہادر کے حضور میں پیش کی

مٹی تو وہ آنکھوں پر مٹی کا عین کھڑا کے بے کھلی ہی چلی تھیں مٹی نے بھگتہ ہوا ہوا کیا تو آنکھیں کھول کر دیکھا اور غپ کر اٹھ بیٹھیں۔ مٹی ان کے ہار دہری کی ایسی بھاری ہو چکی تھی کہ انہوں نے ان کے ہاتھ نہ دیکھے۔ اپنی دھن میں رات کے طوفانوں کی تھیل چلیا کرتے ہوئے وہ وہیں ان کے قدموں کے پاس بیٹھ گئی۔

بیکر نواب نے چٹی بیکر کر اس کا سر اٹھایا کیا ہاروں کے ہاتھ کھانڈی کی طرح اس کے دھار کو کھینچے گئے۔ ایک ایک ہار انہوں نے چوں سے مسل ۱۷۱۔ بیکر نے ہر دھر کر دے اور ہر راتے طوفانے کھانڈے کہ ان کے ہاتھوں میں خون چھٹ گیا۔ ہر رات ہار کر انہوں نے اسے دھار کر اٹھایا اور ان پر مٹھیاں کا شہید ہوا ہر دھر کیا۔

جب خاتم صاحب نے ہر انگوٹھیاں کی کھنچ ہار دہری کی حالت ہر دھر آئی ہے جیسی مٹی مٹی تو وہ ہار دہری ہو گئیں۔ انہوں نے اسے ہار کر اس کے سونے ہارے کھڑے ہر اپنے زرم دھم جیسے ہاتھ بھیرے۔ منہ تو ہر دھر سے دھکی دے دیں۔ اپنا ڈھیروں ہار دہری انہوں سے پہنچا اور ڈھیر مٹی مٹی مٹی چھٹے گئی۔

ہار دہری تک خاتم صاحب سے سرواز کر سیکھتی ہوئی دہری کہ اگر شام کو سرکار نے اسے ہار دہری کا ہار دہری دیا جائے۔ نواب کی ہار دہری کا ہار دہری ہار دہری دیا جائے گا۔ ہار دہری ہو گا۔ دیکھا جائے گا۔

شام ہوئی اور سرکاری سوز کو مٹی۔ بیکر نے فرداں کو ہر انہیں بے ہار دہری مٹی کا ہار دہری دیا۔ اسے ہر طرح کی ہار دہری کر دی گئیں مگر فرداں کے ہار دہری مٹی مٹی مٹی۔

نواب بہادر مٹی مٹی مٹی میں آنے کو چار مٹھیں تھیں۔ اسے دم اٹھان چنگ ہو گیا۔ نواب بہادر نے مٹی بھگتہ سے کر دہری دی۔ ہار دہری ہار دہری اپنے اعلیٰ خاتون کے حشرے ہاروں کو سوری میں اٹھانے کو چار مٹھیں۔ پہلے تو سہار دہری ہار دہری طرف سے اعلیٰ خاتون کے ڈھیر پہلے رہے۔ نواب بہادر بیکر نواب کو بھگتہ ہار دہری کے ہار دہری مٹی ہر دھر دیں۔ نواب

ہمارے ان کے خون کی حیات افزائی کی فرض سے نجان کے ہر کاہلی واکر فرمایا۔
 نر ذائب چمک لیں سے مس نہ ہو سکی۔۔۔ صاحبین نہ جانے کیا کیا جہن کر کے
 سرکار کو بھانے ہوئے ہوئے، مگر سبھی کے بغیر شام میں چل بیٹھی ہماری گزرو رہی
 تھی۔ عشا کی نواز کے بعد ذائب ہمارے ڈاکٹر ہی تھے کئے ذائب چمک کے زیادہ تر
 جواب ان کے کالوں تک پہنچے ہی نہیں تھے۔ بس طرح طرح کے بھانے جانے
 چاہتے تھے۔ کسی میں اس گستاخی کی مصلحت نہ تھی۔ بد کے ہوئے گھوڑے کو طرح
 طرح بھلا یا جارہا تھا۔

و تو فریختی یہ ہوئی تھی کہ ڈپ بلور کو بھی کام نہیں یاد رہا تھا۔ وہ اس ڈپ ڈپ کر اس کی فکیر کرتا تھا:

حرام زنا اور وہ جو نفسی سے ہوئی وہ کھارہی تھی جس نے شوک دیا تھا۔ وہ اس وقت کی طرح تھے اور صاحبین علیہ السلام سے مستثنیٰ ہے فوراً قبیل علم کے لئے دیتے اور ہوتی والی کی جانے کسی اور وقت کی کچھ کو کچھ کچھ حاضر خدمت کر دیتے۔ نواب بلور پیمانی ہوئی اور مجلس آگاہوں کے اسے دیکھتے اور ہر ماہ لے لیتے۔

پیش ہمارے میں ایک قسمت ہوا تھی۔ سب کے سواں پر موت منظر ہوا
تھی۔ طرح طرح کے سمجھنے بجائے کے بد پرچا کے کراچی حضرت کے کراچی
میں آئے کو تارہ تھے۔ ہم انہیں بھی کسی صورت کا یاد ہی نہیں رہتا تھا۔ اس کے
جسم کے ٹکڑے یاد رہ جاتے تھے۔ کوئلے نے انہیں بے وقوف جانے کی بھی
کوشش کی۔

”کے کہانت شوم حضور دانا“ کل تو طرف ہی حاضر نہ مست ہوئی تھی۔“

”طرفہ کا حاضر کیا جائے۔“ وہ دہلائے۔ مگر جب اپنی مل کھائی طرفہ میں کی
آنکھ میں اڑی ہوئی تھوہ ہے حساب اور عقول سمجھانے کے۔ طرفہ اور اس کے
لوگوں کی یہ خوب جڑتے گا ہی صلی۔ اور وہ ہر لمحے کے اپنے اس رنگوں کے۔

اب سب کی جان سولی پر لٹک گئی تو الجھام ٹکر اس کے سوا اور کوئی چاہت نہ

ہوا کہ اصل صورت حال سے نواب بلار کو آگاہ کیا جائے۔ جب حضور والا کو معلوم ہوا کہ دو تھکے روزگار علیا حضرت نواب بیگم کی حمایت پہنچتی سوسنہ بولی بیٹی ہے اور شیشی خاندان سے ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے ہلک کر رہ گئے۔ نواب بیگم کے بچے سے وہ کی کانت تھے۔ ان کے دونوں مائے اختلال تون طوار حم کے تھے۔ مگر بھارہ واری انکے تھی۔ اچھا تو نواب بیگم سے مگر ہے۔ دماغ پر بہت لور والا بیگم کی کئی واضح صورت یاد نہ تھی۔ برسوں کی بات تھی بیگم نہ جانتے کتنے سال سے ان پر ہر جہر و تھکروں کا ہی چھوڑ دی تھی۔ جشن جلوس کے موقع پر وہ چھوٹی بیٹی کے پہلو میں بیٹھی رہیں، اور نواب بلار کی ٹھکریں یاد بخانی میں مصروف تھیں۔

جب لوہ بھاری سواری پہنچی تو چیم لوہ کا دل بڑی طعن بھڑک رہا تھا۔
لوہ دوسرا ہمارے لے کر آئے تھے تب بھی اس طعن دل نہیں دھڑکا تھا۔ یوں بھی
جنا غافل خان دو دھڑکنوں میں۔ ہمارے کے وقت آ رہی تھیں اور سنگوں کی شیشیاں
گھونٹتے تھیں۔ آج صرف حرکت اور تجارت کا طوفان کھول رہا تھا۔

”جہاں میں ایک فضول اور بے فائدہ قسم کے دھرم کی بنا پر آپ ہماری دل شکنی پر غصہ ہوئی ہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ بچنے والے میرے باپ کے حوالے۔ راستے کے سامنے حرازی ہیں سے آپ کا رشتہ جوڑنے پر اوجھار کھانے بھی ہیں تو آج کچھ نیچے کر ہم بھی اپنی ضد کے کچے ہیں۔ بات انہی بدھ مکتی ہے کہ آپ کی مٹ دھری ہماری نیکی کا باعث ہو رہی ہے۔“

”مختصر چھین لیا ہے۔ میں مجبور ہوں۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، نگہ
نے اوپر سے سر ہٹا کر کہہ۔“ یہ لوطی کا نام نہیں، حقیقت ہے ولایت سوادھانے
سے پہلے مختصر سماں نے انہما کی تھی۔۔۔۔۔ خدا اُنھیں کوٹ کوٹ جنت نصیب
کرے۔“ یہ نکتہ جو ہے سوچ، ہمارے ہر خاتمہ صاحب نے انھیں سکھایا تھا۔

”واکشتہ لڑائی فہا رہی ہیں تھکم۔ ارے وہ کم سن نازک لڑام چھو کر ا۔ ہٹا بیٹے
میں وہ تو خود ہی سسٹری تھا۔“

"میں نے کئی ہوتی ہے سرکار، مگر روم کی ٹٹن میں ایسے کئے آپ جیسے
ہر کار حاکم کو نصیب نہیں دیتے۔" حکیم کی آنکھوں میں آنسو اکھبرنے لگے۔

"بھلا مطلب ہے وہ تو خودی پڑے تھے، کس بھی تو نہ بھی ہوں گی۔ یہ
ہوائی جہازوں کا طرزِ تہا؟" نواب صاحب فوراً اچھلے پڑ گئے۔ "خیر حکیم خدا
بھروسے اور۔۔۔"

"بلکہ حاکم یہ مرنے والے کی آخری وصیت کا سوال ہے۔ ان کی روح کو
جس نصیب نہ ہو گا۔ میں مشرعی انیس کا منہ دیکھوں گی۔"

"میں ہانتے ہیں کہ جو سب ہمیں ذک پہنچانے کے لئے شوشے بھروسے
ہمارے ہیں۔" نواب صاحب جھڑپے۔ "اور ہر ہم اسے ہادی میں ہمارے
ہیں۔ ہم اسے نثار میں لائیں گے۔" نواب صاحب ہاتھوں پر زبوں بھرنے لگے۔

"کاش؟ میں نے اسے جی کا ہے" اور وہ بھی جی ہے۔ آپ کی بھی جی
ہوتی ہے کیا حکیم؟" حکیم کی آنکھوں میں شرارت چلنے لگے۔ "نثار ہائز نہ ہو گا۔"

"گوارا دل تو ہاں ہے کس مورد کا جی ہے؟ کس ستاری ہیں حکیم؟ آپ نے
خیر کیا تو وہ ہم پر حرام ہو گی؟ کون سی شریعت کے قسم ہے؟"

"بھئی زبان کے قول کا پاس آپ بھی اتنی ادب ہے جتنا مجھ پر۔" اور
کہہ دیا نہ گا۔ اس سے نثار ٹھہرنے کے لئے مجھے حلق دینا ہو گی۔"

"آپ ہاتھی ہیں حکیم ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ کے روبرو عین عدلہ خون
کے ریاست ہو جائیں گے۔ یہی بات کہنے حکیم اس پر چاہے میں بھی سوچا اور
۔۔۔"

"توہ کچھ ضرور سنا کر گئی، جیسی سوچوں کا اہل کرتی تو ہادی کی کی غم ہو سکتی
ہوتی۔ یہ نہ ہو گا۔"

"کی ہو گا۔" نواب بھروسے ہانسنے حال سے کہنے ہو گئے "آج شام کو
بہر لڑا مطلب۔"

"علی ہاں ایسا ظم نہ کیجے۔ آپ کو کیا کی ہے؟ بھئی جی کو کاہن کیجے۔"

"حکم ہمیں انکا دلیل نہ کیجے" ایک بھوسے سے وہم کی خاطر ہمارا دل چٹنا
چور کے دھکی ہیں۔ ہم ہانتے ہیں اس کی روکوں میں آپ کا خون ہے۔ ہم اس کا ہاں
کر رہے ہیں۔ ہم نثار کریں گے۔ اور اگر نہ آئیں پر تو کی حمایت و سہاٹی سے اس
کے ہلنے سے ڈرے پڑا ہو تو اتنی دیر سے مرنے کے لئے وہ ہمارا دل صبر ہو گا۔"

"مکمل فرماتے ہیں علی ہاں تو وہ مصائبوں اور پاموشی ہادیوں کے لئے
بگادی تھی۔ چاہ ہمارا اس کی زبانیں مسل رہے تھے بھئی بھی کو آئیں، ایک دہی
جی آج اسے نثار کا مرتبہ عطا فرما رہے ہیں۔" حکیم ہانے آئیں۔

"نک کی رنگ ہو گی یا دقتیں ہیں کہ نواب ہمارے کے وطن سے چلے گی۔" حشر
ہے حکیم! ایک قیامت ہے! حاکم نے ہمیں کس کا نہ دیکھا۔ کس ہے؟ اور
ہمارے تو اپنی لڑائی کو۔ اہمارا رہنے دیجئے۔ یہ ہر کے لئے بھی یہ ہمارا

ہیں۔ کیا ہم ایک نظر نہ لگی نہیں کیجئے؟ اس نے قسم دے سے "میں ہاتھ نہ لگائیں
گے۔" مگر حکیم کی آنکھوں میں اچھے ہوئے طوفان نے ان کی زبوں دلی پر اس زل
دلی۔

"تو سر اس پر چاہئے۔" مگر نواب ہمارے سنی کو بل کر رخصت ہو گئے۔
اگر خاتمہ صلیب نہ سمیت تھیں تو حکیم نواب رینہ دین ہو جائیں۔ انیسویں

ہر کا ہونڈ نہ دیا۔ کیونکہ ہم کو دیکھنا ہو گئے اور ان کی سنی کی طرف فرشتے ہو گئے
تھیں۔

"تو نہیں ہو گا۔ ہر کر نہیں ہو گا" صبر پختہ ہی نہیں ہو گا۔
"نہیں ہو گا" تو ان ہادی بھی حشر دہی نہیں ہو گا۔ "خاتمہ صلیب کی
آنکھوں میں سونے جگا اچھے۔"

"ظان در وہیں میں فرما رہا نہ ہوں اور زمرات کے قتل یہاں تھے وہاں
نک جتے ہوئے تھے۔ ہادیوں کی طرف گھوڑا ہوا دھڑک کر صبر کے پانی میں
بھڑکی تھیں۔ سنی دوسرے قاتل مال کو سے اور بھیلیوں دیکھ دیکھ کر بھی کلاہوں
ہر دہی تھیں۔ اس کا جادو ہوا ہے۔ جب دس بج دیا کہ تیار ہو گی تو حکیم حکم

جنہ جانتے اور پرانی زندگی کی موتی گردنوں شروع ہو چالی بارہاں کر بھی نہ
 ہر کہ عہد اگر گوری ملی اور کالے مہاں کی کھلی دہرائی چلی۔ عہد سے کی محل پر جگر
 پڑ گئے تھے کہ آتی گوری دمن کا کھ گٹ بھی نہ اٹھا۔

انہاں مہاں کے مہاں پر ملاؤ نظر لے کر بچے پر دھلا ہل دتیں۔ بچوں کی
 مہو ہو چالی جگ پر بکری کے ہاں سر شروع کھینچ دیں جس آگ بھٹی کھینچ کھینچ جب
 شام پڑ چالی تو کھلی کھلی شرمی نصیب سے اور گئے لگے۔ ہر کوئے سے مہاں لگتے۔
 مل دھک دھک کرتے گئے۔

"کالے مہاں آگے۔" ہم ایک دو سرے کو ڈراتے۔ کرتے پڑتے ہمارے
 اور گلیا اینٹ کے دو حلقہ مکان کی آغوش میں دیکھ جاتے۔ کالے مہاں پر
 اور جیسے کوئے میں بصوت کی طرح چپے محسوس ہوتے۔ بہت سے بچے مرنے کے
 ہر حضرت سلیم چٹنی کی درگاہ ہاتھ دگڑا۔ تب گوری لی کاندہ دیکھا نصیب ہوا۔
 ہاں باپ کی آنکھوں کی لٹک کر گوری ملی جی جی جی تھی۔ بات بات پر ہوا کی
 کھلی آئی لے کے پڑ جاتے۔ ہر کہ جڑاں کر دتیں گھر میں کھانا پکنا کوئی نہ نہ
 عیناں جوں کا توں اصرار اصرار میں مجھ ادا جا گوری ملی نہ کھائیں تو انہاں پڑا کیے
 تو انہاں تو تھے۔

بات اتنی سی تھی کہ جب مہاں کوئی تو کوئلے نے لڑائی جھگڑا کیے۔

گوری دمن کا دھلا۔

مگر مہاں نے لڑائی کے عادی نہیں ہوتے۔ سولہ سولہ برس کے کالے مہاں
 اندر ہی اندر کھینچے رہے۔ مہاں کو عہد ہوتا ہے وہ۔

"اکیس نکلی ہو جائے گی خوار کا کالے کالے ہاتھ نہ لگا۔"

"جیسے غلط نکلی پلڑے سے تھوڑی تو پہنچاں پڑی تو کل ہو جائے گی۔"

"پڑا جیسا ہے ساری عمر وہاں اصرار کی۔"

انگریزوں نے جب مہاں شہر کا آخر سنہ گوار کیا تو سب سے پہلی مہاں بچوں
 پر تھی کہ وہی نوادہ عہد سے جھپٹے بیٹھے تھے۔ جو جاگیر مہاں جانے کے بعد لاکھ

کے کھڑے کھینچتے کھینچتے خاک ہو گئے۔ وہی جی اصرار مہاں میں مہاں ہے بھی
 پرانے مہاں کی طرح جا پڑے۔ ہر گھگھ سے وہ گئے جیسے کسی نے شہر سے
 کھینچ لیا۔

تب ہی مہاں نے اپنے عہد اور خوداری کی تھکائی لہجہ میں سٹ کر اپنے
 اندر ہی اندر کھینچتے چلے گئے۔ مہاں نے اپنے کھڑے کے کھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔
 کھینچے مہاں کی بکری بچاں ہے کہ اس کے کھڑے کے ہر چار چار ڈھیلے ضرورت سے
 زباناں کھ ہوتے ہیں۔ فرش سے فرش کی طرف دھکے توڑتی زباناں اٹھا کر۔
 زندگی کی تھوڑی سی جھلک ہو گئی۔ دھرا سے نوادہ بذات سے کام لینے لگے۔

انگریز کی چاکری اینٹ اور صحت مندوری کی کسر شاپ ہو پکا اچھا ہوا ہے چ
 چ کر کھاتے رہے۔ ہاتھ لپکے کا دھتورہ تھی کہ تھک چلی کے ہیز کے چک کے
 پاؤں سے چاندنی کا پتھر اٹھارتے جاتے تھے۔ زور زور پرعوں کے ہونے ہونے
 نوج لوج کر کھاتے۔ ہاں دمن کی کھیاں سل بنے سے کھل کر کھڑا کھڑا چھو لگا۔
 کھائیں۔ گھر کے عہد میں چھٹک کی ادا اینٹ تو تھے۔ شہر کو پہلی مہاں بچوں
 اور شہر کی بچی کھینچتے نکل گئے۔ گھر کی عہدوں پھپھپ کر سدا کی کر تھیں۔ ہار
 عہدوں سے چلا اہل جانا یا مہاں کے بچوں کو قرقر چھو دتیں تو کھنے پھرنے لے
 جاتا۔

کالے مہاں نے وہ حلقہ کی چھڑ چھڑ کوئی لاکھ توڑا جیسے موت کی گھڑی
 نہیں نکلی دیجے ہی باپ میں کی لے کی ہوئی شادی نہ تھی۔ کالے مہاں سر ہٹا کے
 دھلا ہی گئے۔ کسی سر پہنچنے سے میں آری صحت کے وقت اور چھڑوا۔
 "خیر اور دمن کو ہاتھ لگا یا کل ہو جائے گی۔"

مہاں چھ پڑتے کھاتے کھاتے کی طرح پڑتا سر سے جس کا انہل نو ہا اور دہر چلا
 گیا۔

فکری مہاں کھینچتے ہو گئی۔ ایک اصرار ہوا گیا۔ مہاں خانہ میں اس شہر کی
 خبر نہیں میں آزاد کی کی بغیر آری صحت کے رخصت ایک تھوڑی تھی۔

"بھرائیں اس کا خود چٹا چور کروں گا۔ کسی ایسے دیسے سے نہیں ملے
پس سے واسطے ہے۔" کالے میں پھنکے۔

کالے میں شہر کی طرح پوری مسی ہو رہا تھے۔ دس ایک کونے میں
شہر کی پٹی کھپ رہی تھیں۔ بارہ برس کی بچی کی ریٹھ کی کیا؟
"کوئی گھٹا اٹھو۔" کالے میں ڈنگرائے۔

دس لکھ کڑی تڑپی ہو گئی۔
"ہم کہتے ہیں کوئی گھٹا اٹھو۔" کسی کے گل اٹھ کر رہے۔

سیلیوں نے دیکھا تھا۔ "لانا ہاتھ جوڑے گا ہی چلے گا۔ خود ہر کوئی
کو ہاتھ لگائے دیا۔ دس بھی زبان براعت کرے اتنی ہی زیادہ پکڑا۔

"دیکھو تو تانہ لانی ہے کہ اپنے گھر کی بلوری تو بڑی کی جاتی ہے۔ کوئی گھٹا
اٹھو۔ ہم تمہارے باپ کے ڈر نہیں۔"

دس پر جیسے طعنا کر گیا۔

کالے میں پہنچنے کی طرح ایک کرائے پر چپس اٹھا کر بیل میں دائیں اور
کڑی سے ایک بیل میں گھس گئے۔ سب کی گاڑی سے وہ جھوٹا ہوتا ہے۔

گھر میں ٹھہرتا تھا۔ ایک اچھی دس کے ساتھ آئی تھیں جاگ رہی
تھیں۔ کین دس کی بچوں کی طرف لگے تھے۔ جب دس کے کمرے سے چلے بھی

نہ آئی تو دس کے تو جوں کا دم لگنے لگا ہے ہے کسی بے مبالغہ ہے۔ بڑی بھی
مسموم اور کٹوری ہو گی اتنی زیادہ دن کاٹے گی۔ کیا کہ کالے میں لاشیں کھوت

ہے۔ تی چاہا کو بیل میں کوہ کے قصہ پاک کریں۔
پچھلے سے کمرے میں جھانکا توئی میں ہے کہ۔ دس بھی لڑتی ہیں دس کی

تھی اور دس کا تپ۔
بڑے غیر دلچسپ قسم کے ہنگامے ہوتے تھواریں سمجھیں وہی مشکل سے

دس نے بڑی جی جی کہہ رکھی۔ اس پر طرح طرح کی بے شکوئیاں ہوتی رہیں۔
خانہ میں دس پادشاہ میں تھیں۔ ایک کالے میں کی دس مری گوری بی کی طرف

دار۔

"آخر اسے گاڑی ہے۔ اس کا ہم نہ مانا تھا ہے۔" ایک ہائی میں
ہوتی تھی۔

"کس کی دس نے خود کو گھٹا اٹھایا ہے؟" دس مری پادشاہ کی دلیل تھی۔
کالے میں کو خود چور سے بڑا کر دس کا کوئی گھٹا اٹھانے کی ساری

کو ششیں ہلاک تھیں۔ وہاں گھوڑ ساروں میں بھرتی ہو گئے اور یہی کو بانی تھو
بچتے رہے جو گوری بی کی اہلی سمجھنے کے حشر پر بار آئیں۔

کونسی لڑکی لگتی ہے بھول میں تھیں۔ ہر اٹھو ایسے ہاتھ دس میں مندی رکھتی
رہیں اور دس کے لئے ہاتھ لگوانی رہیں اور بھتی رہیں۔

پھر خدا کا کھانا ہوا کہ بھلا کی من گھڑی آجی۔ کالے میں کو فرنگی تو نہ
جائے کس سوا میں تھے کہ بھگے آئے۔ ہر اٹھو کا ہاتھ ٹھیک کر اٹھ بیٹھے۔

کالے میں کو طلب کیا دس کا کوئی گھٹا اٹھانے کی پارکیوں پر سکوت ہوئی۔
کالے میں نے سر جھکا دیا۔ مگر خدا وہی دس کو حشر ہو جائے مگر کوئی

تو دس کو اپنے ہاتھوں اٹھا چلے گا۔ "حقہ کھڑے میں قسم کھا چکا ہوں میرا سر ہم کر
دیتے مگر قسم نہیں توڑ سکتا۔"

مسل بچوں کی کھولنے دیکھتی تھی تھیں۔ انہوں میں حصہ ہوا میں نے
سارا کھٹے کھلا دیا تھا۔ میں امتحان خدائی دیتی تھیں ایک انہوں کو بھیجے سے

لگائے بیٹھے تھے۔ کسی نے کالے میں سے نہ پچھا تم نے ایسی امتحان قسم کھائی ہی
کہوں کہ انہیں بھلی زندگی ملے گی۔

خیر صاحب گوری بی ہمارے دس بھائی تھیں۔ گلیا اٹھ دلا مکان ہر یہوں
اور خدائی خدائی خوشی سے میک اٹھا۔ اہلی نے بھلایا۔ "تم اس کی شکوہ ہو

بچو جان۔ کوئی گھٹا اٹھانے میں کوئی صوب نہیں۔ اس کی خد پوری کر دے مسل بچے کی
تھوڑا دے جائے گی۔ تھوڑی دینا مشورہ جائے گی گوری میں بھول رہیں گے۔ لگے

دسوں کا ہم پر راہو گا۔"

گوری بی سر ہمارے سختی رہیں۔ مکی کلی سات سال میں تو پڑا تو راست میں بھی
گھر۔ جس کو دے لائی کا ایک مہینہ تھا جس کے جسم میں بڑا نقص تھا۔

حوت کالے سال کی سب سے بڑی گوری تھی۔ سارے حواس اسی ایک
نکتے پر مرکوز تھے۔ عمر ان کی جسم ایک پنج پاؤں تھی کہ ان کی طرح ان کے من میں
پہنسی ہوئی تھی۔ ان کے تخیل نے سات سال آٹھ بولی نکلی تھی۔ انہوں نے
تینوں گھوگت لفظ اپنے دماغی ہڈی "لوٹو" ہڈی "خیر ہڈی" گھو تر ہڈی فرض
کوئی ہڈی نہ پھر ہڈی گھو گوری بی کے گھوگت کی جہت دل میں اپنے کاڑے رہی۔
ہر سات سال سنانے کے بعد تو ذہن میں بھی تھی۔ اس بار انہیں یہیں تھا ان کی جسم
پر رہی ہو گی۔ گوری بی ایک گھوگت کی گوری تھی کہ جیسے کا یہ آخری موقع بھی گھو
دیں "و" انہوں سے پتا چلتا تھا کہ ان کی تو سزا کا ہے کوئی پھانسی نہیں دھرنے۔
مگر گھوگت الفاظ۔ "کالے میاں نے بڑی لڑائی ہے کہنا ہوا مگر شکستہ ہو چکا
جانب آیا۔

گوری بی حکم غور رہے "مستانی غلطی میں پہنچی رہی۔
"آخری وار حکم دیا ہوا۔ گھوگت الفاظ "دو دن اسی طرح چلی سزا ہڈی"
اب نہ گیا پھر نہ کوں گا۔"
مارے خسر کے گوری بی بال بچوں کا ہر گھن۔ کمال ان کے سچے دھارے
ایک شیط پکا اور وہ خوش گھوگت خاستہ ہو جائے۔
پچ کرے میں کوڑے کالے میاں کو لڑنے سادہ کی طرح بھرتے رہے۔
پھر وہ نہ بل میں ہمارے گھوگتیں بار میں اتر گئے۔

اب وہ انہیں بارگ کھیں "لوٹو پھر لڑے" گھوگت کی تھی لگے گی۔ بس وہ
ہاس کے بڑ رہ گئے تھے اور ایک پھر وہی وہ آگے جھپٹی کی دھشیں گھوگتوں کے
بھڑ شہوت اور اتار کے درخت کب کے لٹ پٹ گئے۔

جب تک میں زندہ رہیں گوری بی کو سنبھالے رہیں ان کے بعد یہ اپنی خود
گوری بی نے سنبھال لی۔ ہر ہمارے کو منہ کی تھی کہ پانی کی ہے کا تھیں دھتہ رنگ

جن کو پانچھی اور جب تک سسرال زندہ رہی تو اسے سلام کرنے جاتی رہیں۔
اب کے جو کالے میں گئے تو پنج ہی ہو گئے۔ برسوں ان کا سراج نہ تھا۔
میں باپ دادا کو انہوں سے گئے "دو دن جانے کن جنگوں کی خاک چھاتے پھرے۔
بھی خفا ہوں میں ان کا سراج تھا۔ بھی کسی منہ کی بیڑیوں پر چڑے تھے۔
گوری بی کے منہ ہڈی میں چاندی نکل گئی۔ موت کی بھالہ نام کر لی
رہی۔ اس پاس کی زمین نکلن کوڑوں کے سول پکے گئے۔ پھر اپنے لوگ
زندہ رہی ان گئے۔ گھوگت قتل کن ہے "اپنے کل دے کر تھی دھاک ہمارے
گی۔ یہ دن کی دھن "پھری ایک پھر سراج چل سراج بھی اب "تیا" میں انہوں
کی بیڑیوں اور لہن جانے کی چوں کے بار گئے گئے۔
ایک منہ میں کی دولت دس کر گھوگت تھی۔ چند گھوگت انہیں پہنچے میں
گی تھیں۔ ہر کل تک انہیں پچھتے تھے جب تک کہ سلام کرنے تھے ان
سراج دھن دھن کر تھیں گئے گئے۔

گوری بی کا زور تھوڑا تھوڑا قادی کی توری میں نکلی گیا۔ وہ انہیں دے
رہی تھیں۔ کچھ بھول رہے تھے۔ پچ کچھ کل ہے الین کا پچا کل کر جنگوں
کے پچا "ا رہے تھے۔ پھر پھر سراج رہے تھے۔ اور کوڑوں کی دھشیں کے ہر گھن کر
بھن ہر رہے تھے۔ گھوگت مراد بھی تھیں اور وہ سہ کی طاقت سمجھا جاتا تھا وہ
میں رہا تھا۔ گوری بی کو انہوں کے انہوں قادی کی طرح زندگی کے پچھتے میں جتی
اپنے گھوگت پھرے چاندی تھیں۔ ان کی کر تھی انہوں میں غمازیں نے اور وہ بل
وہ تھا۔

ان کے لئے طے طے کے طے طے طے رہے کہ ان پر جن کا بارش
ماضی تھا۔ ہر نئی کالے میں ان کے گھوگت کو پتہ لگاتے چٹ تھوڑا سوت کر کھڑا
ہو جائے۔ ہر ہمارے کو عشاء کی لڑا کے بعد وہ قادی چٹ ہیں تب سارا آگن
کو لڑے سنبھال سے پھر جاتا ہے۔ پھر خشی تھی دھشیں دھشیں کا بارشہ ابھر کر سوار
ہو کر آتا ہے۔ گوری بی کی حرکت پر سر دھتا ہے پچھتے ہی سب ہانک دھتہ ہو

جاتے ہیں۔

جب ہم یہ فیصہ سننے تو جیسے اچیلز کو قتل میں پہنچ جاتے اور رات کو
سائینڈس کی پہچان میں ہی کہہ سکتے ہیں چونکہ کرچھپیں مارتے۔
گوری بی نے مددی کر کے جیسے ہاک کھاتے ہوں گے۔ کیے اچیلز ہمارے
(دوبئی کا یہ جو اصرار ہو کہ میں کے دیکھتے ہو تو ان کی کوئی کسی نے نہیں ہے۔) اسوں
کے لیے ہم کی ہاک کو کیا جواب دیا ہو گا؟

کاش یہ کہانی ہمیں غم ہو جاتی۔ مگر قسمت سزا دیتی تھی۔

پارے چائیس میں ہمارے کلبہاں اچانک تپ ہی گئی دھجکے۔ اسیں ہم
قسم کے علاج امراض واقع تھے پورے سڑی تھی۔ دم دم دس ہوا تھا۔ وہ
کے بارے ہاک سڑی جاتی تھی۔ لیکن آکھوں میں سرسبز ہاک رہی تھیں جن کے
سارے ہاتھ چنے میں اگی ہوئی تھی۔
مگر وہ بی سے کہہ مشکل آسانی کر جائیں۔

ایک کم ساٹھ کی دھن میں نے دہنے ہوئے دولہا میں آکھانے کی چارواں
شروع کر دی۔ مندی کھل کر ہاتھ چوں میں رہا۔ پانی سو کر پڑا ہاک کیا۔
ساک کا پتلا ہوا چل سید لہوں میں بیلا۔ صندوق کھل کر پورے پھٹا پھڑا رہی
کاہرہ اٹھال کر پتلا اور اور کالے میں دم توڑتے رہے۔

جب گوری بی شریانی لائی دھبے دھبے قوم افغانی میں کے سرانے پہنچی
تو جیسے کہ پتلا تھے اور گورہ پتھر پرستے ہوئے کالے میں کی مچلی پھر پڑیں
میں ہنسنے لگی کہ وہ لڑکی۔ موت کے فرشتے سے ایسے ہوئے کالے میں نے قسم دیا۔
گوری بی کو کھٹ اٹھا۔

گوری بی کے ہاتھ اٹے کر کہہ گت تک پہنچنے سے پہلے کہ گئے۔
کالے میں دم توڑ چکے تھے۔

وہ جیٹے لکھن سے آئیں جہ تھی۔ ساک کی بے ڈانڈ مندی کہیں ہو۔
روا ہے کہ سید اچیلز مچے، مچے کیا۔



صحت کے علاج کے مگر موت کے بل کی طرح پچا اور دھن کرار
نکرتے ہیں۔ مگر یہ علاج ہی ہر وقت مگر مگر مگر ہی ہو
موت میں ہے۔ اس کی دعا میں ہے۔ اس کے بل میں ہے۔ اس کے
کاہرہ میں ہے اس کے ہاتھ میں ہے۔

(کرشن پتھر)

صحت کی صحت اور اب کے لئے بہت غم ہے۔ اسوں نے اس
ان کی پانی لکھوں میں دھنے دھل دینے ہیں۔ کہ اب کھانا کوئی نہیں
کی رہتے آکھوں سے اور میں نے اب میں ہوا تھا صحت پہنچلی
کو حاصل ہے اس کا کہہ دیا کی پنی اور اٹلی سے کہہ ہو گا۔

(پتھر سٹاری)



RHOTAS BOOKS

Almeida Chambers, 5 Temple Road Lahore Rs. 45/-